اصلاحی خطبات

جلد ۱۴

- حج ایک عاشقانہ عبادت
- محرم اور عاشورہ کی حقیقت
- مسلمانوں پر حملہ کی صورت میں ہمارا فریضہ
- کامیاب مؤمن کون؟
- نماز کا مسنون طریقہ
- نماز میں آنے والے خیالات
- برائی کا بدلہ اچھائی سے دو
- اوقاتِ زندگی بہت قیمتی ہیں
- زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب
- زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

۱۴

اصلاحی خطبات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ☜ مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت ☜ مئی ۲۰۰۴ء
مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
باہتمام ☜ ولی اللہ میمن ☎ ۴۹۱۶۰۳۳
ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)
قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

❁ میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
❁ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
❁ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
❁ ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
❁ کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
❁ اقبال بک سینٹر صدر کراچی
❁ مکتبۃ الاسلام، الٰہی فلورمل، کورنگی، کراچی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم ط

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللّٰہ و کفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ساڑھے چار سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور

ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

عرضِ ناشر

الحمد للہ ''اصلاحی خطبات'' کی چودہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ تیرہویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے چودہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمدللہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصہ میں یہ جلد تیار ہوکر سامنے آ گئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے چودہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

طالب دعا

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست
جلد ۱۴

فہرست مضامین

حج میں تاخیر کیوں؟

محرم اور عاشوراء کی حقیقت

عنوان	صفحہ نمبر

مسلمانوں پر حملہ کی صورت میں ہمارا فریضہ

درس ختم صحیح بخاری

عنوان	صفحہ نمبر

نماز کا مسنون طریقہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

نماز میں آنے والے خیالات

صفحہ	عنوان
۲۳۳	نماز کا چوتھا مقامہ: قبلیہ سنتیں
۲۲۳	چاروں مقدمات پر علم کے بعد خشوع کا حصول
۲۳۴	خیالات کی پرواہ مت کرو
۲۳۴	ان سجدوں کی قدر کرو
۲۳۵	نماز کے بعد کے کلمات
۲۳۶	خلاصہ

خشوع کے تین درجات

صفحہ	عنوان

برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

اوقات زندگی بہت قیمتی ہیں

عنوان	صفحہ

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب

عنوان	صفحہ

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

شب قدر کی فضیلت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ط

شب قدر کی فضیلت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ
نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ
شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّهۡدِہِ
اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ہَادِیَ لَہٗ
وَأَشۡهَدُاَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ
وَأَشۡهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً
عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی
اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔
أَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط اِنَّا اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ
لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ○ وَمَا اَدۡرٰکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ○
لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ○ تَنَزَّلُ

الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ
اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

(سورۃ القدر)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلك من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہِ ربّ العالمین

آخری عشرہ کی اہمیت

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! اللہ جل شانہ کا بے پایاں کرم ہے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو اپنی زندگی میں ایک اور رمضان المبارک عطاء فرمایا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس رمضان کے بیس ایام گزر گئے اور اب رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو رہا ہے۔ یہ آخری عشرہ پورے رمضان کا عطر ہے اور نچوڑ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آخری عشرہ کو ایسی خصوصیات اور فضائل سے نوازا ہے کہ سارے سال پھر ایسے ایام دوبارہ آنے والے نہیں۔

آخری عشرہ میں حضور ﷺ کی کیفیت

یوں تو رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہی مقدس ہے اور مبارک ہے، اس کی ایک ایک گھڑی اور اس کا ایک ایک لمحہ قابل قدر ہے، لیکن خاص طور پر یہ آخری عشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خاص کیفیات رکھتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ

آخری عشرہ داخل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہوتی کہ:

شَدَّ مئزره وأَحْيٰى ليله وأيقظ أهله

(صحیح بخاری، فضل لیلۃ القدر، باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے یعنی رات بھر عبادت میں محنت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے اور اپنی رات جاگ کر گزارتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔ عام دنوں میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز روزانہ پڑھا کرتے تھے جس کی رکعتیں لمبی لمبی ہوتی تھی، کبھی آپ تہجد میں آدھی رات گزار دیتے تھے اور کبھی ایک تہائی رات گزار دیتے تھے، لیکن رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان راتوں میں عبادت کے لئے آپ اپنی کمر کس لیتے تھے۔

عام دنوں میں تہجد کیلئے بیدار ہونے کا انداز

عام دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اس طرح بیدار ہوتے کہ:

انتعل رويداً، وأخذ رداءه رويداً، ثُم فَتَحَ الْبَابَ رُوَيْدًا۔

(نسائی، کتاب عشرة النساء باب الغيرة)

آہستگی سے جوتے پہنے، اور آہستگی سے اپنی چادر اٹھائی۔ پھر آہستگی سے دروازہ کھولا تے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اٹھنے کی آواز سے اور دروازہ

کھولنے کی آواز سے عائشہ صدیقہ کی آنکھ کھل جائے۔ کیونکہ تہجد پڑھنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کوئی شخص خود اٹھ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو اٹھنے اور تہجد پڑھنے کی توفیق دیدی ہے تو اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ اٹھے تو پورے محلّے والوں کو بھی جگائے یا اپنے گھر والوں کو بھی جگائے بلکہ اس کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس کے کسی عمل سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھلے تاکہ سونے والے کو تکلیف نہ ہو، کیونکہ تہجد پڑھنا فرض و واجب نہیں، لہٰذا اپنے تہجد کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف پہنچانا اور اس کی نیند میں خلل ڈالنا جائز نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے اٹھتے تو اس طرح اُٹھتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ نہ کھلے۔

آخری عشرہ میں گھر والوں کو بیدار کرنا

لیکن رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ "أيقظ أهله" یعنی اپنے سب گھر والوں کو بھی جگاتے اور ان سے فرماتے کہ اٹھ جاؤ، یہ آخری عشرہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا موسم بہار ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی گھٹائیں برس رہی ہیں، ایسے وقت میں سوتے رہنا محرومی کی بات ہے، اس لئے جاگ کر اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں کو اپنے دامن میں بھرلو۔

پچھلی امتوں کے عبادت گزاروں کی عمریں

اسی آخری عشرہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات "لیلة القدر" رکھی ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے؟ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے پچھلی امتوں کے عابدین کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان کی عمریں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں۔ خود قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

فَلَبِثَ فِيهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا۔

(سورۃ العنکبوت: آیت ۱۴)

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی عمر نوسو پچاس سال ہوئی۔ ان کے علاوہ اور اُمتوں کے لوگوں کی عمریں بھی لمبی لمبی ہوتی تھیں، کسی کی عمر پانچ سو سال ہوئی، کسی کی عمر سات سو سال ہوئی، کسی کی عمر ہزار سال ہوئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حسرت

جب صحابہ کرامؓ کے سامنے ان کی عمروں کا ذکر آیا تو صحابہ کرام نے اپنی حسرت کا اظہار فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لمبی لمبی عمروں والے لوگ تھے اور جتنی عمر لمبی ہوئی اتنی ہی ان کو عبادت کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا زیادہ موقع ملا، جس کے نتیجے میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے اپنے دامن بھر لئے، کیونکہ ساری عمر عبادت میں گزاری تو ان کی نمازوں

کی تعداد زیادہ ہوئی، روزوں کی تعداد زیادہ ہوئی، ذکر و تسبیح کی تعداد زیادہ ہوئی، اور ہماری عمریں تو کم ہیں، ہم کتنی بھی عبادتیں کرلیں، پھر بھی ان کے برابر نہیں پہنچ سکتے جن کی عمریں لمبی ہوئیں، کیا ہم ان سے پیچھے رہ جائیں گے؟

لیلۃ القدر خیر ہی خیر ہے

اس پر اللہ جل شانہ نے یہ سورۃ قدر نازل فرمائی جس میں بتادیا کہ اے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم! تم گھبراؤ نہیں، بیشک تمہاری عمریں ان لوگوں کے مقابلے میں کم ہیں، لیکن ہم تمہیں ایک رات ایسی دے دیتے ہیں کہ اگر اس ایک رات میں عبادت کرلوگے تو وہ ایک رات ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہوگی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ''خیر'' کا لفظ استعمال فرمایا، عربی جاننے والے جانتے ہیں کہ خیر کے معنی ہیں ''بہت بہتر''۔ دیکھئے! دو چیزوں کے درمیان ایک انیس بیس کا فرق ہوتا ہے، اس موقع پر ''خیر'' کا لفظ نہیں بولا جاتا اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ ''بیس، انیس'' کے مقابلے میں ''خیر'' ہے، لیکن جب دو چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو تو اس وقت ''خیر'' کا لفظ بولا جاتا ہے، جیسے یوں بولا جاسکتا ہے کہ ''آسمان'' زمین سے خیر ہے۔

ہزار مہینوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے

لہٰذا قرآن کریم نے یہ جو فرمایا کہ:

لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَھْرٍ۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے کے برابر ہے، نہ یہ معنی ہیں کہ وہ رات ایک ہزار ایک مہینے کے برابر ہے، بلکہ یہ رات ایک ہزار مہینے سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس کا حساب ہم نہیں کر سکتے۔

اس نعمت کو تلاش کرو

البتہ یہ اللہ جل شانہ کی حکمت ہے کہ اتنی بڑی نعمت اگر ویسے ہی دیدی جاتی تو ناقدری ہوتی، اس لئے فرمایا کہ اس نعمت کے حصول کے لئے تھوڑی سی تکلیف بھی اٹھاؤ وہ یہ کہ ہم تمہیں یہ نہیں بتاتے کہ یہ شب قدر کون سی رات میں ہے؟ البتہ اتنا بتا دیتے ہیں کہ یہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے یعنی اکیسویں شب، تیئیسویں شب، پچیسویں شب، ستائیسویں شب اور انتیسویں شب میں سے کسی ایک رات میں یہ شب قدر آتی ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر ایک سال شب قدر پچیسویں شب میں آئے تو آئندہ سال بھی پچیسویں شب میں آئے گی بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک سال یہ رات اکیسویں شب میں آئے، دوسرے سال پچیسویں شب میں آجائے اور تیسرے سال ستائیسویں شب میں آجائے۔ مختلف راتوں میں بدل سکتی ہے۔ لہٰذا اگر شب قدر کو پانا ہے اور اس کی فضیلت حاصل کرنی ہے تو پھر ان پانچوں راتوں میں جاگنے کا اہتمام کریں، اتنی بڑی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ان پانچ راتوں میں جاگ لینا کوئی بڑی بات نہیں۔

یہ رات اس طرح گزارو

بعض لوگ اس رات کے لمحات کو فضول گنوا دیتے ہیں،بعض لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ رات نیک کاموں میں گزرے لیکن حقیقت میں نیکی کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ رات تو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنائی کہ بندہ خلوت اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنے رب کے سامنے عرض معروض کرے،عبادت کرے،نماز پڑھے،تلاوت کرے،ذکر کرے،تسبیحات پڑھے،دعائیں کرے۔اس رات میں سب سے اچھی عبادت یہ ہے کہ آدمی لمبی لمبی صورتوں کے ساتھ نوافل پڑھے،ان نوافل میں لمبا قیام کرے،لمبا رکوع کرے،لمبا سجدہ کرے اور رکوع اور سجدے میں مسنون دعائیں مانگے۔

دوسرے نمبر پر تلاوت کرے،تیسرے نمبر پر ذکر اور تسبیح پڑھے۔مثلاً:

سُبْحَانَ اللّٰه و بحمده سُبْحَانَ اللّٰهِ العظِيم۔

کی تسبیح پڑھے،تیسرا کلمہ پڑھے،درود شریف پڑھے،استغفار کی تسبیح کرے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہ تسبیحات زبان پر جاری رہیں،اگر کسی کام میں بھی مشغول ہو تو اس وقت بھی تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔اور اس رات میں دعائیں کریں،کیونکہ ان راتوں میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کو دعائیں بہت پسند ہیں،اس لئے اپنی تمام حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگو،اگر دنیا کی حاجت بھی مانگو گے تو اس پر بھی ثواب ملے گا۔مثلاً آپ یہ دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ! میرا قرض ادا کرادے،یہ دنیا کی حاجت ہے،مگر اللہ تعالیٰ اس پر بھی

ثواب عطا فرمائیں گے، یا مثلاً آپ یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے رزق دیدے اور حلال روزگار دیدے، یہ دنیا کی حاجت ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس پر بھی ثواب عطا فرمائیں گے۔ بہر حال یہ رات ان کاموں کے لئے ہے۔

یہ رات جلسہ اور تقریروں کیلئے نہیں ہے

لیکن بعض لوگوں نے یہ رات اجتماعی کاموں کے لئے بنا دی اور اس کو میلے کرنے کی رات بنا دی کہ آج فلاں صاحب کی تقریر ہوگی، جلسہ ہوگا، دعوت ہوگی اور کھانا کھلایا جائے گا، اب سارا وقت انہی کاموں کی نذر ہو رہا ہے۔ ارے بھائی! اس رات کی فضیلت بیان کرنے کے لئے اور اس رات کو گزارنے کا طریقہ سکھانے کے لئے جلسہ اور تقریر پہلے کرلو اور جب یہ رات آجائے تو پھر عبادت میں لگ جاؤ کیونکہ یہ رات عمل کرنے کی رات ہے، اس رات میں جلسہ وتقریر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص میدان جنگ میں جاکر ٹریننگ حاصل کرنا شروع کر دے، میدان جنگ میں آنے سے پہلے ٹریننگ حاصل کرلو، اگر یہاں آکر تم ٹریننگ حاصل کرو گے تو معاملہ بگڑ جائے گا، اس لئے کہ یہ وقت ٹریننگ حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہ وقت تو لڑنے کا ہے۔ اسی طرح یہ رات تعلیم حاصل کرنے اور سیکھنے کی نہیں ہے بلکہ یہ عمل کرنے کی رات ہے۔ اس لئے اس رات کو تقریروں میں اور جلسوں اور تقریبات میں ضائع کرنا یہ اوقات کی ناقدری ہے۔

یہ تنہائی میں گزارنے کی رات ہے

یہ رات تو اس کام کی ہے کہ آدمی ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھا ہو اور وہ ہو اور اس کا اللہ ہو اور اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق قائم کیا ہوا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور عرض معروض کر رہا ہو، یہ ہے اس رات کا صحیح مصرف۔ اس رات میں لوگوں نے اپنی طرف سے میلے ٹھیلے بنا دئے ہیں، اس سے پرہیز کرو اور اس کے ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھو اور تنہائی میں عبادت کرنے کی کوشش کرو۔

شریعت میں اجتماعی نفلی عبادات بھی پسندیدہ نہیں، لہٰذا اس رات میں جو شبینے ہوتے ہیں، یہ بھی پسندیدہ نہیں، افضل یہ ہے کہ عبادت تنہائی میں ہو، کیونکہ ان شبینوں میں بہت سے مفاسد شامل ہو جاتے ہیں۔ ہاں! اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں گھر پر رہوں گا تو سو جاؤں گا، ایسا شخص مسجد میں آکر عبادت کرلے تاکہ اس کی نیند بھاگ جائے، اس حد تک گنجائش ہے، لیکن یہ بات سمجھ لیں کہ جو فضیلت گھر کے کونے میں بیٹھ کر عبادت کرنے میں حاصل ہوگی، مسجد میں آکر عبادت کرنے میں وہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی اِلّا یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔

ہر کام کو اس کے درجے پر رکھو

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے درجے پر رکھا ہے، مثلاً جو نمازیں فرض ہیں، ان کے بارے میں تو یہ تاکید ہے کہ مسجد میں آکر سب کے ساتھ

جماعت سے ادا کرو، لیکن نفلی نمازوں کے لئے تاکید یہ ہے کہ ان کو گھر میں ادا کرو، تنہائی میں پڑھو اور اجتماع سے پرہیز کرو، اسی وجہ سے نفلوں کی جماعت جائز ہی نہیں۔ بہرحال! جب شریعت کی طرف آؤ تو پھر شریعت کے احکام کا لحاظ کرو، یہ نہ ہو کہ دین پر عمل کرنے کے جوش میں آکر شریعت کے احکام پامال کرنا شروع کردو۔

یہ مانگنے کی راتیں ہیں

بہرحال! اس طرح یہ بقیہ راتیں گزارنے کی ضرورت ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ان راتوں میں عبادت کی توفیق دیدے تو معلوم نہیں کہ کس کس کا بیڑہ پار ہو جائے۔ لہٰذا ان راتوں میں اپنے دنیا کے مقاصد، دین کے مقاصد، معیشت کے مقاصد، ملک و ملّت اور قوم کے مقاصد، یہ سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کردو اور دعا کرو کہ یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہمارے حالات کی اصلاح فرمادے۔ اگر اس طرح ہم نے یہ راتیں گزارلیں تو پھر انشاء اللہ یہ رمضان بھی مبارک، یہ راتیں بھی مبارک، اس کی دعائیں بھی مبارک۔ اللہ تعالیٰ اس رمضان کا ایک ایک لمحہ صحیح مصرف میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رمضان سلامتی سے گزاردو

جیسا کہ رمضان کے شروع میں عرض کیا تھا کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا ہے کہ:

من سلم له رمضان سلمت له السنة۔

یعنی جس شخص کا رمضان سلامتی کے ساتھ گزر جائے، اس کا سال بھی سلامتی کے ساتھ گزرتا ہے۔ لہٰذا رمضان المبارک کے جتنے ایام باقی ہیں، ان میں اس بات کی کوشش کرلیں کہ یہ سلامتی کے ساتھ گزر جائیں، یعنی ان میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو، نہ آنکھ کا گناہ ہو، نہ کان کا گناہ ہو، نہ زبان کا گناہ ہو، نہ ہاتھ پاؤں کا کوئی گناہ سرزد ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو، اگر اس طرح سلامتی کے ساتھ رمضان گزار دیا جائے تو انشاء اللہ بقیہ سال بھر کے لئے سلامتی اور خیر کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حج ایک عاشقانہ عبادت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

حج ایک عاشقانہ عبادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلاً ۔

(سورۂ آل عمران: آیت ۹۷)

أمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق
رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلك من
الشاھدین و الشاکرین والحمدللّٰہِ ربّ العالمین

اشہرحج

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! رمضان المبارک گزر جانے کے بعد شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہے، شوال کا مہینہ ان مہینوں میں شمار ہوتا ہے جن کو اللہ جل شانہ نے ''اشہرالحج'' یعنی حج کے مہینے کہا ہے، کیونکہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن کو اللہ تعالیٰ نے حج کے مہینے قرار دیے ہیں۔

رمضان المبارک سے لے کر ذی الحجہ تک کے ایام اللہ تعالیٰ نے ایسی عبادتوں کے لئے مخصوص فرمائے ہیں جو خاص انہی ایام میں انجام دی جاسکتی ہیں، چنانچہ رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ نے روزے کے لئے اور تراویح کے لئے مقرر فرمایا اور شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے مہینے حج کے لئے اور قربانی کے لئے مقرر فرمائے، حج اور قربانی ایسی عبادتیں ہیں جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں نہیں انجام دی جاسکتیں۔ گویا کہ عبادات کا ایک سلسلہ ہے جو رمضان المبارک سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ پر جا کر ختم ہوتا ہے، اس لئے ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا تقدس حاصل ہے۔

ماہ شوال کی فضیلت

رمضان المبارک تو تمام مہینوں میں مبارک مہینہ ہے، شوال کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شوال کے مہینے میں چھ

روزے رکھ لے تو اللہ تعالیٰ ا کو سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ کیونکہ ہر نیکی کا ثواب اللہ تعالیٰ دس گنا عطا فرماتے ہیں، لہٰذا جب ایک شخص نے رمضان المبارک میں تیس روزے رکھے تو اس کا دس گنا تین سو ہوگیا اور چھ روزے جب شوال میں رکھے تو ان کا دس گنا ساٹھ ہوگیا، اس طرح تمام روزوں کا ثواب مل کر تین سو ساٹھ روزوں کے برابر ہوگیا اور سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے رمضان کے ساتھ شوال میں چھ روزے رکھ لئے تو گویا اس نے پورے سال روزے رکھے۔ شوال کے چھ روزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب عطا فرماتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ چھ روزے عیدالفطر کے فوراً بعد رکھ لئے جائیں، لیکن اگر فوراً نہ رکھ سکیں تو شوال کے مہینے کے اندر اندر پورے کرلیں۔

ماہ شوال اور امور خیر

اسی شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور اسی مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ لہٰذا اس ماہ میں برکتوں کے بہت سارے اسباب جمع ہیں۔

ماہ ذیقعدہ کی فضیلت

اسی طرح ذیقعدہ کا اگلا مہینہ بھی ''اشہر الحج'' میں شامل ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران حج کے علاوہ چار عمرے ادا فرمائے، یہ چاروں عمرے ذیقعدہ کے مہینے میں ادا

فرمائے۔ اس لحاظ سے بھی اس ماہ کو تقدس حاصل ہے۔

ماہ ذیقعدہ منحوس نہیں

ہمارے معاشرے میں ''ذیقعدہ'' کے مہینے کو جو منحوس سمجھا جاتا ہے اور اس کو ''خالی'' کا مہینہ کہا جاتا ہے یعنی یہ مہینہ ہر برکت سے خالی ہے، چنانچہ اس ماہ میں نکاح اور شادی نہیں کرتے اور کوئی خوشی کی تقریب نہیں کرتے، یہ سب فضولیات اور توہم پرستی ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ بہرحال! یہ مہینے حج کے مہینے ہیں، اس لئے خیال ہوا کہ آج حج کے بارے میں تھوڑا سا بیان ہو جائے۔

حج اسلام کا اہم رکن ہے

یہ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اسلام کے چار ارکان ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، ان چاروں ارکان پر اسلام کی بنیاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے عبادت کے جو مختلف طریقے تجویز فرمائے ہیں، ان میں سے ہر طریقہ نرالی شان رکھتا ہے، مثلاً نماز کی الگ شان ہے، روزہ کی ایک الگ شان ہے، زکوٰۃ کی الگ شان ہے، حج کی الگ شان ہے۔

عبادات کی تین اقسام

عام طور پر عبادتوں کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، ایک ''عبادات

بدنیہ'' جو انسان کے بدن سے تعلق رکھتی ہیں اور بدن کے ذریعہ ان کی ادائیگی ہوتی ہے، جیسے نماز بدنی عبادت ہے۔ دوسری ''عبادات مالیہ'' جس میں بدن کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس میں پیسے خرچ ہوتے ہیں، جیسے زکوٰۃ اور قربانی۔

تیسری عبادات وہ ہیں جو بدنی بھی ہیں اور مالی بھی ہیں، ان کے ادا کرنے میں انسان کے بدن کو بھی دخل ہوتا ہے اور مال کو بھی دخل ہوتا ہے، جیسے حج کی عبادت۔ حج کی عبادت میں انسان کا بدن بھی خرچ ہوتا ہے اور اس کا مال بھی خرچ ہوتا ہے، اس لئے یہ عبادت بدن اور مال دونوں سے مرکب ہے۔ اور اس حج کی عبادت میں عاشقانہ شان پائی جاتی ہے، کیونکہ حج میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ارکان رکھے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے عشق و محبّت کا اظہار ہوتا ہے۔

اِحرام کا مطلب

جب یہ حج کی عبادت شروع ہوتی ہے تو سب سے پہلے احرام باندھا جاتا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چادریں باندھنا ہی احرام ہے، حالانکہ محض ان چادروں کا نام احرام نہیں بلکہ ''اِحرام'' کے معنی ہیں ''بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلینا'' جب انسان حج یا عمرہ کی نیت کرنے کے بعد تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے اوپر بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً سلا ہوا کپڑا پہننا حرام، خوشبو لگانا حرام، جسم کے کسی بھی حصے کے بال کاٹنا حرام، ناخن کاٹنا حرام اور اپنی بیوی کے ساتھ جائز نفسانی خواہشات پوری کرنا حرام۔ اسی وجہ سے اس کا نام ''احرام'' رکھا گیا ہے۔

اے اللہ! میں حاضر ہوں

اور جب انسان حج یا عمرہ کی نیت کر کے یہ تلبیہ پڑھتا ہے:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ۔ لَبَّیْکَ لاَ شَرِیْکَ
لَکَ لَبَّیْکَ ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ
وَالْمُلْکَ ۔ لاَ شَرِیْکَ لَکَ ۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! میں حاضر ہوں، کیوں حاضر ہوں؟ اس لئے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالاً وَّعَلٰی
کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔

(سورۃ الحج: آیت ۲۷)

اے ابراہیم! لوگوں میں یہ اعلان فرما دیں کہ وہ اس بیت اللہ کے حج کے لئے آئیں، پیدل آئیں اور سوار ہو کر آئیں، دور دراز سے اور دنیا کے چپے چپے سے یہاں پہنچیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر یہ اعلان فرمایا تھا کہ اے لوگو! یہ اللہ کا گھر ہے، اللہ کی عبادت کے لئے یہاں آؤ۔ یہ اعلان آپ نے پانچ ہزار سال پہلے کیا تھا، آج جب کوئی عمرہ کرنے والا یا حج کرنے والا حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ درحقیقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اعلان کا جواب دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ۔

اے اللہ! میں حاضر ہوں اور بار بار حاضر ہوں۔ اور جس وقت بندہ نے یہ کہدیا کہ میں حاضر ہوں، بس اسی وقت سے اِحرام کی پابندیاں شروع ہوگئیں، چنانچہ اب وہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا، بال نہیں کاٹ سکتا، ناخن نہیں کاٹ سکتا اور اپنی جائز نفسانی خواہشات بھی پوری نہیں کرسکتا۔

احرام کفن یاد دلاتا ہے

گویا اللہ جل شانہ کی پکار پر ایک عاشق بندے نے اپنے پروردگار کے عشق میں دنیا کی آسائشیں اور راحتیں سب چھوڑ دیں، اب تک وہ سلے ہوئے کپڑے پہنا ہوا تھا، وہ سب اتار دیے، اب وہ دو چادریں پہنا ہوا ہے جو اسے اس کے کفن کی یاد دلا رہی ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہوگا تو اس وقت تیرا یہی لباس ہوگا، چاہے وہ بادشاہ ہو، چاہے سرمایہ دار ہو، چاہے فقیر ہو، سب آج دو چادر پہنے ہوئے ہیں اور انسانی مساوات کا ایک منظر پیش کر رہے ہیں، جس شخص کو دیکھو وہ آج دو چادروں میں ملبوس نظر آرہا ہے۔

''طواف'' ایک لذیذ عبادت

پھر وہاں بیت اللہ کے پاس پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، اس ''طواف'' میں ایک عاشقانہ شان ہے، جس طرح ایک عاشق اپنے محبوب کے گھر کے گرد چکر لگاتا ہے، اسی طرح یہ اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ اور یہ چکر لگانا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ اس طواف میں ایک

ایک قدم پر ایک ایک گناہ معاف ہو رہا ہے اور ایک ایک درجہ بلند ہو رہا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے طواف کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ شاید روئے زمین پر طواف سے زیادہ لذیذ عبادت کوئی اور نہ ہو۔

اظہار محبت کے مختلف انداز

انسان کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے مالک کے ساتھ عشق و محبت کا اظہار کرے، اس کے گھر کا چکر لگائے، اس کے دروازے کو چومے اور اس سے لپٹ جائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اس تقاضے کی تکمیل کے سارے اسباب اس بیت اللہ میں جمع فرما دیے ہیں۔ جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو آپ کا دل چاہتا ہے کہ اس کو گلے لگاؤں، اس کے پاس رہوں، اب اللہ تعالیٰ سے محبت تو ہے لیکن اس کو گلے سے نہیں لگا سکتے، براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدم بوسی نہیں کر سکتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے بندو! تم یہ کام براہ راست تو نہیں کر سکتے، اس لئے تم ایسا کرو کہ یہ میرا گھر ہے، تم اس گھر کے چکر لگاؤ اور اس کے اندر میں نے ایک حجر اسود رکھ دیا ہے، تم اس حجر اسود کو چومو، یہ تمہارا حجر اسود کو چومنا یہ تمہارے عشق و محبت کا اظہار ہوگا اور اگر مجھ سے لپٹنے کو دل چاہتا ہے تو میرے اس گھر کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان جو دیوار ہے جس کو ملتزم کہتے ہیں، اس دیوار سے لپٹ جاؤ اور یہاں لپٹ کر تم جو کچھ مجھ سے مانگو گے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں دوں گا۔ یہ عاشقانہ شان اللہ تعالیٰ نے اس حج کی عبادت میں رکھی ہے، آدمی کو اپنے جذبات کے

اظہار کا اس سے بہتر موقع کہیں اور نہیں مل سکتا جیسا وہاں موقع ملتا ہے۔

دین اسلام میں انسانی فطرت کا خیال

ہمارے دین اسلام کی بھی عجیب شان ہے کہ ایک طرف بُت پرستی کو منع کر دیا اور اس کو شرک اور حرام قرار دیدیا اور یہ کہدیا کہ جو شخص بُت پرستی کرے گا وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہے، اس لئے کہ یہ بُت تو بے جان پتھر ہیں، نہ ان کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہے، لیکن دوسری طرف چونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرے، اس محبت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ایک نشان بنا دیا اور ساتھ میں یہ بتا دیا کہ بیت اللہ کی ذات میں کچھ نہیں رکھا، لیکن چونکہ ہم نے اس کو اپنی طرف منسوب کرکے یہ کہدیا کہ یہ ہمارا گھر ہے اور ہم نے ہی اس کے اندر پتھر رکھ دیا ہے تاکہ تمہارے جذبات کی تسکین ہو جائے، اب نسبت کے بعد اس گھر کے چکر لگانا اور اس پتھر کو چومنا عبادت ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا حجر اسود سے خطاب

اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے اور حجر اسود کے پاس جا کر اس کو بوسہ دینے لگے تو اس حجر اسود کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے، اگر میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ سنت جاری فرمادی، اس لئے اس کا چومنا اور بوسہ دینا عبادت بن گیا۔

ہرے ستونوں کے درمیان دوڑنا

طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگائے جا رہے ہیں اور جب سبز ستون کے پاس پہنچے تو دوڑنا شروع کر دیا، جسے دیکھو دوڑا جا رہا ہے، بھاگا جا رہا ہے، اچھے خاصے سنجیدہ آدمی، پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، جن کو کبھی بھاگ کر چلنے کی عادت نہیں، مگر ہر ایک دوڑا جا رہا ہے، چاہے بوڑھا ہو، جوان ہو، بچہ ہو، یہ کیا ہے؟ یہ اس لئے دوڑا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے یہاں دوڑ لگائی تھی، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ قیامِ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے یہ ضروری قرار دیدیا کہ جو حج کرنے آئے گا، وہ صفا مروہ کے درمیان چکر لگائے گا اور دوڑے گا۔

اب مسجد حرام کو چھوڑ دو

جب ۸/ذی الحجہ کی تاریخ آ گئی تو اب یہ حکم آیا کہ مسجد حرام کو چھوڑ دو اور منیٰ میں جا کر پانچ نمازیں ادا کرو، حالانکہ اطمینان سے مکہ میں رہ رہے تھے اور مسجد حرام میں نمازیں ادا کر رہے تھے جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر مل رہا تھا، لیکن اب یہ حکم آ گیا کہ اب مکہ سے نکل جاؤ اور منیٰ میں جا کر قیام کرو اور پانچ نمازیں وہاں ادا کرو۔ کیوں؟ اس حکم کے ذریعہ یہ

بتلانا مقصود ہے کہ نہ مسجد حرام میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ رکھا ہے اور نہ بیت اللہ میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے، جب تک ہمارا حکم تھا کہ مکہ مکرمہ میں رہو، اس وقت تک مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر مل رہا تھا اور اب ہمارا حکم یہ ہے کہ یہاں سے جاؤ تو اب اس کے لئے یہاں رہنا جائز نہیں۔

اب عرفات چلے جاؤ

منٰی کے قیام کے بعد اب ایسی جگہ تمہیں لے جائیں گے جہاں حدِ نگاہ تک میدان پھیلا ہوا ہے، کوئی عمارت نہیں اور کوئی سایہ نہیں، ایک دن تمہیں یہاں گزارنا ہوگا۔ یہ دن اس طرح گزارنا کہ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کرلینا اور پھر اس کے بعد سے لے کر مغرب تک کھڑے ہوکر ہمیں پکارتے رہنا اور ہمارا ذکر کرتے رہنا، ہم سے دعائیں کرنا اور تلاوت کرنا اور مغرب تک یہاں رہنا۔

اب مزدلفہ چلے جاؤ

اور عرفات میں تو تمہیں خیمے لگانے کی اجازت تھی، اب ہم تمہیں ایسے میدان میں لے جائیں گے جہاں تم خیمہ بھی نہیں لگا سکتے، وہ ہے ''مزدلفہ'' لہٰذا غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور رات وہاں گزارو۔

مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھنا

عام دنوں میں تو یہ حکم ہے کہ جیسے ہی غروب آفتاب ہو جائے تو فوراً

مغرب کی نماز ادا کرو، لیکن آج یہ حکم ہے کہ مزدلفہ جاؤ اور وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کرو۔ ان احکام کے ذریعہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب تک ہم نے کہا تھا کہ مغرب کی نماز جلدی پڑھو، اس وقت تک جلدی پڑھنا تمہارے ذمے واجب تھا، اور جب ہم نے کہا کہ تاخیر سے پڑھو تو اب تاخیر سے پڑھنا تمہارے ذمے ضروری ہے، لہٰذا کسی وقت کے اندر کچھ نہیں رکھا جب تک ہمارا حکم نہ ہو۔

کنکریاں مارنا عقل کے خلاف ہے

قدم قدم پر اللہ تعالیٰ عام قانونوں کو توڑ کر بندے کو یہ بتا رہے ہیں کہ تیرا کام تو ہماری عبادت کرنا اور ہمارا حکم ماننا ہے، اور کوئی چیز اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی جب تک ہمارا حکم نہ ہو۔ اب مزدلفہ سے پھر واپس منیٰ آؤ اور تین دن یہاں گزارو، اب یہاں تین دن کیوں گزاریں؟ یہاں کیا کام ہے؟ یہاں تمہارا کام یہ ہے کہ یہاں منیٰ میں تین ستون ہیں جن کو جمرات کہا جاتا ہے، ہر آدمی روزانہ تین دن تک ان کو سات سات کنکریاں مارے۔ ذرا اس عمل کو عقل وخرد کی ترازو میں تول کر دیکھو تو یہ عمل فضول اور بیکار نظر آئے گا، گزشتہ سال پچیس لاکھ مسلمانوں نے حج کیا اور یہ پچیس لاکھ انسان تین دن تک منیٰ میں پڑے ہوئے ہیں جن پر کروڑوں اور اربوں روپے خرچ ہو رہے ہیں اور ان میں ہر ایک کو یہ دھن ہے کہ میں ان جمرات کو سات سات کنکریاں ماروں، اچھے خاصے پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، معقول آدمی ہیں، مگر جس کو دیکھو وہ کنکریاں ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور پھر ان جمرات کو مار کر خوش ہو رہا ہے کہ میں

نے یہ عمل پورا کرلیا۔

ہمارا حکم سب پر مقدم ہے

کیا یہ کنکریاں مارنے کا عمل ایسا ہے جس پر اربوں روپیہ خرچ کیا جائے؟ بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کسی کام میں عقل وخرد کی بات نہیں، جب ہمارا حکم آجائے تو وہی کام جس کو تم دیوانگی سمجھ رہے تھے، وہی عقل کا کام بن جاتا ہے، جب ہمارا حکم آگیا کہ ان پتھروں کو مارو تو تمہارا کام یہ ہے کہ مارو، اسی میں تمہارے لئے اجر وثواب ہے، اسی عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند کررہے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اپنے دلوں میں عقل وخرد کے جو بت تعمیر کئے ہوئے ہیں، اس حج کی عبادت کے ذریعہ قدم قدم پر اللہ تعالیٰ ان بتوں کو توڑ رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ ان بتوں کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ اس کائنات میں کوئی چیز قابل تعمیل ہے تو وہ ہمارا حکم ہے، جب ہمارا حکم آجائے تو وہ حکم عقل میں آئے تو، عقل میں نہ آئے تو، تمہیں اس حکم کے آگے سر جھکانا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، پورے حج کے اندر یہی تربیت دی جارہی ہے۔

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج کی بڑی فضیلت بیان فرمائی کہ اگر کوئی شخص حج مبرور کرکے آتا ہے تو وہ ایسا گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے جیسے آج وہ اپنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کا یہ مقام رکھا ہے۔

حج کس پر فرض ہے؟

یہ حج کس پر فرض ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً

یعنی اللہ کے لئے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں اور یہ ہر اس شخص پر فرض ہے جو وہاں جانے کی استطاعت اور صلاحیت رکھتا ہو، یعنی اس کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ وہ سواری کا انتظام کر سکے۔ فقہاء کرام نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ جس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کے ذریعہ وہ حج پر جا سکے اور وہاں حج کے دوران اپنے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کر سکے اور اپنے پیچھے جو اہل وعیال ہیں، واپس آنے تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کر سکے، ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

لیکن آج کل لوگوں نے حج کرنے کے لئے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کر رکھی ہیں جن کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں۔ ان کے بارے میں آئندہ جمعہ انشاء اللہ تفصیل سے عرض کرونگا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حج میں تاخیر کیوں؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم ط

حج میں تاخیر کیوں؟

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِيۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ـ مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَأَشۡهَدُاَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَأَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا ـ

أَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلاً ـ

(سورۂ آل عمران: آیت ۹۷)

امنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہِ ربّ العالمین

حج فرض ہونے پر فوراً ادا کریں

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعہ کو اسی آیت پر بیان کیا تھا، اس آیت میں اللہ جل شانہ نے حج کی فرضیت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر واجب ہے کہ جو شخص بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ حج کرے۔ یہ حج ارکان اسلام میں سے چوتھا رکن ہے اور صاحبِ استطاعت پر اللہ تعالیٰ نے عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض قرار دیا ہے۔ اور جب یہ حج فرض ہو جائے تو اب حکم یہ ہے کہ اس فریضے کو جلد از جلد ادا کیا جائے، بلاوجہ اس حج کو مؤخر کرنا درست نہیں، کیونکہ انسان کی موت اور زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اگر حج فرض ہونے کے بعد اور ادائیگی سے پہلے انسان دنیا سے چلا جائے تو یہ بہت بڑا فریضہ اس کے ذمے باقی رہ جاتا ہے، اس لئے حج فرض ہو جانے کے بعد جلد از جلد اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

ہم نے مختلف شرائط عائد کر لی ہیں

لیکن آج کل ہم لوگوں نے حج کرنے کے لئے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کر لی ہیں، بہت سی ایسی پابندیاں عائد کر لی ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ان کے دنیوی مقاصد

پورے نہ ہو جائیں مثلاً جب تک مکان نہ بن جائے یا جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا چاہئے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے، بلکہ جب انسان کے پاس اتنا مال ہو جائے کہ اس کے ذریعہ حج ادا کر سکے یا اس کی ملکیت میں سونا اور زیور ہے اور وہ اتنا ہے کہ اگر اس کو وہ فروخت کر دے تو اس کی رقم اتنی وصول ہو جائے گی جس کے ذریعہ حج ادا ہو جائے گا، تب بھی حج فرض ہو جائے گا، لہٰذا حج فرض ہو جانے کے بعد اس کو کسی چیز کے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔

حج مال میں برکت کا ذریعہ ہے

لہٰذ یہ سوچنا کہ ہمارے ذمے بہت سارے کام ہیں، ہمیں مکان بنانا ہے، ہمیں اپنی بیٹیوں یا بیٹوں کی شادی کرنی ہے، اگر یہ رقم ہم حج میں صرف کردیں گے تو ان کاموں کے لئے رقم کہاں سے آئے گی؟ یہ سب فضول خیالات اور فضول سوچ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس حج کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حج ادا کرنے کے نتیجے میں آج تک کوئی شخص مفلس نہیں ہوا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ (سورۃ الحج: آیت ۲۸)

یعنی ہم نے حج فرض کیا ہے، تاکہ اپنی آنکھوں سے وہ فائدے دیکھیں جو ہم نے ان کے لئے حج کے اندر رکھے ہیں۔ حج کے بے شمار فائدے ہیں، ان کا احاطہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق

میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔

آج تک حج کی وجہ سے کوئی فقیر نہیں ہوا

حج بیت اللہ کا سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے، آج تک کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں ملے گا جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس شخص نے چونکہ اپنے پیسے حج پر خرچ کر دیے تھے، اس وجہ سے یہ مفلس اور فقیر ہوگیا۔ البتہ ایسے بے شمار لوگ آپ کو ملیں گے کہ حج کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں برکت عطا فرمائی اور وسعت اور خوشحالی عطا فرمائی، لہٰذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جب تک دنیا کے فلاں فلاں کام سے فارغ نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کریں گے۔

حج کی فرضیت کیلئے مدینہ کا سفرخرچ ہونا بھی ضروری نہیں

چونکہ مدینہ منورہ کا سفر حج کے ارکان میں سے نہیں ہے اور فرض و واجب بھی نہیں ہے، اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جاکر حج کرلے اور مدینہ منورہ نہ جائے تو اس کے حج میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری عظیم سعادت ہے، اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو عطا فرمائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ لہٰذا چونکہ مدینہ منورہ کا سفر حج کے ارکان میں سے نہیں ہے، اس لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنے پیسے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ جاکر حج تو ادا کرسکتا ہے لیکن مدینہ منورہ جانے کے پیسے نہیں

ہیں، تب بھی اس کے ذمے حج فرض ہے، اس کو چاہئے کہ حج کر کے مکہ مکرمہ ہی سے واپس آ جائے، حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی حاضری ایسی عظیم نعمت ہے کہ انسان ساری عمر اس کی تمنا کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا یہ خیال کہ اس حج کو فلاں کام ہونے تک مؤخر کر دیا جائے، یہ خیال درست نہیں۔

والدین کو پہلے حج کرانا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم والدین کو حج نہیں کرا دیں گے، اس وقت تک ہمارا حج کرنا درست نہیں ہوگا۔ یہ خیال اتنا عام ہو گیا ہے کہ کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں حج پر جانا چاہتا ہوں لیکن میرے والدین نے حج نہیں کیا، لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ اگر والدین کے حج سے پہلے تم حج کر لو گے تو تمہارا حج قبول نہیں ہوگا۔ یہ محض جہالت کی بات ہے، ہر انسان پر اس کا فریضہ الگ ہے، جیسے والدین نے اگر نماز نہیں پڑھی تو بیٹے سے نماز ساقط نہیں ہوتی، بیٹے سے اس کی نماز کے بارے میں الگ سوال ہوگا اور ماں باپ سے ان کی نمازوں کے بارے میں الگ سوال ہوگا۔ یہی معاملہ حج کا ہے، اگر ماں باپ پر حج فرض نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں، اگر وہ حج پر نہیں گئے تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر آپ پر حج فرض ہے تو آپ کے لئے حج پر جانا ضروری ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ پہلے والدین کو حج کرائے اور پھر خود کرے، یہ سب خیالات غلط ہیں، ہر انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے اعمال کا مکلّف ہے، اس کو اپنے اعمال کی فکر کرنی چاہئے۔

حج نہ کرنے پر شدید وعید

ہم میں سے بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو ذاتی ضروریات اور ذاتی کاموں کی خاطر لمبے لمبے سفر کرتے ہیں، یورپ کا سفر کرتے ہیں، امریکہ اور فرانس اور جاپان کا سفر کرتے ہیں، لیکن اس بات کی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے گھر پر حاضری دیدیں، یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج نہ کرے، چنانچہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص پر حج فرض ہوگیا ہو اور پھر بھی وہ حج کئے بغیر مر جائے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے۔ لہٰذا یہ معاملہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ انسان اس حج کے فریضے کو ٹلاتا رہے اور یہ سوچتا رہے کہ جب فرصت اور موقع ہوگا تو حج کرلیں گے۔

بیٹیوں کی شادی کے عذر سے حج مؤخر کرنا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹیوں کی شادیاں کرنی ہیں، جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا، لہٰذا پہلے بیٹیوں کی شادی کریں گے پھر حج کریں گے۔ یہ بھی بیکار بات ہے، یہ بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ جب بیٹی کی شادی ہو جائے گی تو اس کے بعد نماز پڑھوں گا۔ بھائی! اللہ تعالیٰ نے جو فریضہ عائد کیا ہے وہ فریضہ ادا کرنا ہے، وہ کسی اور بات پر موقوف نہیں۔

حج سے پہلے قرض ادا کریں

البتہ حج ایک چیز پر موقوف ہے، وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر قرضہ ہے تو قرض کو ادا کرنا حج پر مقدم ہے۔ قرض کو ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے بڑی سخت تاکید فرمائی ہے کہ انسان کے اوپر قرض نہیں رہنا چاہئے، جلد از جلد قرض کو ادا کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سے کام حج پر مقدم کر رکھے ہیں، مثلاً پہلے میں اپنا مکان بنالوں یا پہلے مکان خریدلوں، یا پہلے گاڑی خریدلوں، پھر جاکر حج کرلونگا، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

حج کیلئے بڑھاپے کا انتظار کرنا

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ جب بڑھاپا آجائے گا تو اس وقت حج کریں گے، جوانی میں حج کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حج کرنا تو بوڑھوں کا کام ہے، جب بوڑھے ہو جائیں گے اور مرنے کا وقت قریب آئے گا تو اس وقت حج کرلیں گے۔ یاد رکھئے! یہ شیطانی دھوکہ ہے، ہر وہ شخص جو بالغ ہو جائے اور اس کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ وہ حج ادا کرسکے تو اس پر حج فرض ہوگیا اور جب حج فرض ہوگیا تو اب جلد از جلد اس فریضے کو انجام دینا واجب ہے، بلا وجہ تاخیر کرنا جائز نہیں، کیا پتہ کہ بڑھاپے تک وہ زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔ بلکہ درحقیقت حج تو جوانی کی عبادت ہے، جوانی میں آدمی کے قویٰ مضبوط ہوتے ہیں، وہ تندرست ہوتا ہے، اس وقت وہ حج کی مشقت کو آسانی کے ساتھ برداشت کرسکتا ہے، لہٰذا یہ سمجھنا کہ بڑھاپے میں حج کریں گے، یہ بات درست

نہیں۔

حج فرض ادا نہ کرنے کی صورت میں وصیت کر دیں

یہاں یہ مسئلہ بھی عرض کر دوں کہ اگر بالفرض کوئی شخص حج فرض ہو جانے کے باوجود اپنی زندگی میں حج ادا نہ کرسکا تو اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں یہ وصیت کرے کہ اگر میں زندگی میں حج فرض ادا نہ کرسکوں تو میرے مرنے کے بعد میرے ترکے سے کسی کو میری طرف سے حج بدل کے لئے بھیجا جائے۔ کیونکہ اگر آپ یہ وصیت کر دیں گے تب تو آپ کے وارثین پر لازم ہوگا کہ وہ آپ کی طرف سے حج بدل کرائیں ورنہ نہیں۔

حج صرف ایک تہائی مال سے ادا کیا جائیگا

اور وارثین پر بھی آپ کی طرف سے حج بدل کرانا اس وقت لازم ہوگا جب حج کا پورا خرچہ آپ کے پورے ترکے کے ایک تہائی کے اندر آتا ہو۔ مثلاً فرض کریں کہ حج کا خرچ ایک لاکھ روپے ہے اور آپ کا ترکہ تین لاکھ روپے بنتا ہے یا اس سے زیادہ، تو اس صورت میں یہ وصیت نافذ ہوگی اور ورثاء پر لازم ہوگا کہ آپ کی طرف سے حج بدل کرائیں، لیکن اگر حج کا خرچ ایک لاکھ روپے ہے اور آپ کا پورا ترکہ تین لاکھ سے کم ہے تو اس صورت میں ورثاء پر یہ لازم نہیں ہوگا کہ آپ کی طرف سے حج بدل ضرور کرائیں، کیونکہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ یہ مال جو ہمارے پاس موجود ہے، اس مال پر ہمارا اختیار اس وقت تک ہے جب تک ہم پر مرض الموت طاری نہیں ہو جاتا، ہم اس مال کو

جس طرح چاہیں استعمال کریں، لیکن جیسے ہی مرض الموت شروع ہو جاتا ہے، اس وقت اس مال پر سے ہمارا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور یہ مال وارثوں کا ہو جاتا ہے البتہ اس وقت صرف ایک تہائی مال کی حد تک ہمارا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔

تمام عبادات کا فدیہ ایک تہائی سے ادا ہوگا

لہٰذا اگر ہمارے ذمے نمازیں رہ گئی ہیں تو ان نمازوں کا فدیہ اس ایک تہائی سے ادا ہوگا، اگر روزے چھوٹ گئے ہیں تو ان روزوں کا فدیہ بھی اسی ایک تھائی سے ادا ہوگا، اگر زکوٰۃ باقی رہ گئی ہے تو اس کی ادائیگی بھی اسی ایک تہائی سے ہوگی، اگر حج رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی ایک تہائی سے ادا ہوگا اور ایک تہائی سے باہر کی وصیت وارثوں کے ذمہ لازم نہیں ہوگی۔ اس لئے زندگی میں حج ادا نہ کرنا بڑا خطرناک ہے، کیونکہ اگر ہم وصیت بھی کر جائیں کہ ہمارے مال سے حج ادا کرا دیا جائے لیکن ترکہ اتنا نہ ہو جس کے ایک تہائی سے حج ادا ہو سکے تو ان کے ذمے اس وصیت کو پورا کرنا لازم نہیں ہوگا، اگر حج کرا دیں تو یہ ان کا ہم پر احسان ہوگا اور اگر حج نہ کرائیں تو ان پر آخرت میں کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

حج بدل مرنے والے کے شہر سے ہوگا

بعض لوگ حج بدل کراتے وقت یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم یہاں کراچی سے حج بدل کرائیں گے تو ایک لکھ کا خرچ ہوگا، اس لئے ہم مکہ مکرمہ میں ہی کسی

کو پیسے دیدیں گے، وہ وہیں سے حج ادا کرلے گا۔ یاد رکھئے! اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر اس طرح حج بدل ادا نہیں ہوتا، اگر میں کراچی میں رہتا ہوں اور میرے ذمے حج فرض ہے تو اگر میں کسی کو اپنی طرف سے حج بدل کے لئے بھیجوں تو وہ بھی کراچی سے جانا چاہئے، یہ نہیں کرسکتا کہ مکہ مکرمہ سے کسی کو پکڑ کر دو سو روپے میں حج کرالیا، چونکہ میں کراچی میں رہتا ہوں، اس لئے میرے وطن سے ہی حج بدل ہوگا، مکہ مکرمہ سے نہیں ہوگا۔

عذر معقول کی وجہ سے مکہ سے حج کرانا

یہ اور بات ہے کہ ایک آدمی دنیا سے چلا گیا اور اس نے ترکہ بالکل نہیں چھوڑا، اب اس کے ورثاء نے سوچا کہ اور کچھ نہیں ہوسکتا تو کم از کم اتنا ہو جائے کہ کسی کو مکہ مکرمہ ہی سے بھیج کر اس کی طرف سے حج کرادیں۔ تو قانون کے اعتبار سے تو وہ حج بدل نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول کرلیں تو یہ ان کا کرم ہے اور نہ ہونے سے یہ صورت بہرحال بہتر ہے۔ لیکن اصول اور قانون وہی ہے کہ جس شخص کے ذمے حج واجب ہے، حج بدل والے کو اسی شخص کے شہر سے جانا چاہئے۔

قانونی پابندی عذر ہے

آج کل یہ حال ہے کہ حج کرنا اپنے اختیار میں نہیں رہا، کیونکہ حج کرنے پر بہت ساری قانونی اور سرکاری پابندیاں عائد ہیں، مثلاً پہلے درخواست دو پھر قرعہ اندازی میں نام آئے وغیرہ۔ لہٰذا جب کسی شخص پر حج

فرض ہوگیا اور اس نے حج پر جانے کی قانونی کوشش کرلی اور پھر بھی نہ جاسکا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معذور ہے، لیکن اپنی طرف سے کوشش کرے اور حج پر جانے کے جتنے قانونی ذرائع ہو سکتے ہیں ان کو اختیار کرے، لیکن آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور جانے کی فکر ہی نہ کرے تو یہ گناہ کی بات ہے۔

حج کی لذّت حج ادا کرنے سے معلوم ہوگی

جب آپ ایک مرتبہ حج کر کے آئیں گے تو اس وقت آپ کو پتہ چلے گا کہ اس عبادت میں کیا چاشنی ہے؟ کیسی لذت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت میں عجیب ہی کیف رکھا ہے۔ حج کے اندر سارے کام عقل کے خلاف ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عبادت میں عشق کی جو شان رکھی ہے، اس کی وجہ سے اس عبادت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی عظمت، اس کے ساتھ عشق انسان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور جب وہ حج سے واپس آتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

حج نفل کیلئے گناہ کا ارتکاب جائز نہیں

اور جب آدمی ایک مرتبہ حج کر کے واپس آتا ہے تو اس کی پیاس اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور پھر بار بار جانے کو دل چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بار بار جانے پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی، فرض تو زندگی میں ایک مرتبہ کیا ہے، لیکن دوبارہ جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے، جب بھی موقع ہو، آدمی نفلی حج پر جاسکتا ہے۔ مگر اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ نفلی عبادتوں کی وجہ سے کسی

گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، کیونکہ نفلی عبادت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں اور دوسری طرف گناہ سے بچنا واجب تھا، مثلاً جب حج کی درخواست دی جاتی ہے تو اس میں یہ لکھنا پڑتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا، اب آپ نے نفلی حج کے لئے یہ لکھ کر دیدیا کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا، یہ آپ نے جھوٹ بولنے کا گناہ کرلیا اور جھوٹ بولنا حرام ہے، جھوٹ سے بچنا فرض ہے، گویا کہ آپ نے نفلی عبادت کے لئے جھوٹ کا ارتکاب کرلیا اور شریعت میں نفلی عبادت کے لئے جھوٹ کے ارتکاب کی کوئی گنجائش نہیں، ایسا جھوٹ بولنا ناجائز اور حرام ہے۔

حج کیلئے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں

اسی طرح اگر اسپانسر شپ کے تحت حج کی درخواست دینی ہو تو اس کے لئے باہر سے ڈرافٹ منگوایا جاتا ہے، بعض لوگ یہاں سے خرید لیتے ہیں جس کے نتیجے میں سودی معاملہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ اب حج نفل کے لئے سودی معاملہ کر کے جانا، شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

حج نفل کے بجائے قرض ادا کریں

اسی طرح ایک شخص کے ذمے دوسروں کا قرض ہے تو قرض کی ادائیگی انسان پر مقدم ہے، اب وہ شخص قرض تو ادا نہیں کر رہا ہے لیکن ہر سال حج پر جا رہا ہے، گویا کہ فرض کام کو چھوڑ کر نفل کام کی طرف جا رہا ہے، یہ حرام اور ناجائز ہے۔

حج نفل کے بجائے نان ونفقہ ادا کریں

اسی طرح ایک شخص خود تو نفلی حج اور نفلی عمرے کر رہا ہے، جبکہ گھر والوں کو اور جن کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے ان کو نفقہ کی تنگی ہو رہی ہے، یہ سب کام ناجائز ہیں یہ افراط ہے۔

بلکہ اگر کسی شخص کو یہ محسوس ہو کہ فلاں کام میں اس وقت خرچ کی زیادہ ضرورت ہے تو ایسی صورت میں نفلی حج اور نفلی عمرے کے مقابلے میں اس کام پر خرچ کرنا زیادہ باعث ثواب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا حج نفل چھوڑنا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدثین اور فقہاء میں سے ہیں اور صوفی بزرگ ہیں، یہ ہر سال حج کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ اپنے قافلے کے ساتھ حج پر جا رہے تھے تو راستے میں ایک بستی کے پاس سے گزر ہوا، بستی کے قریب ایک کوڑے کا ڈھیر تھا، ایک بچی بستی سے نکل کر آئی اور اس کوڑے میں ایک مردار مرغی پڑی ہوئی تھی، اس بچی نے اس مردار مرغی کو اٹھایا اور جلدی سے اپنے گھر کی طرف چلی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ یہ بچی ایک مردار مرغی کو اٹھا کر لے جا رہی ہے، چنانچہ آپ نے آدمی بھیج کر اس بچی کو بلوایا کہ تم اس مردار مرغی کو کیوں اٹھا کر لے گئی ہو؟ اس بچی نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے گھر میں کئی روز سے فاقہ ہے اور ہمارے پاس اپنی جان بچانے کا
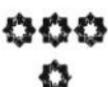
کوئی راستہ اس کے سوانہیں ہے کہ ہم اس مردار مرغی کو کھالیں۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ہم حج کا یہ سفر ملتوی کرتے ہیں اور تمام ساتھیوں سے فرمایا کہ اب ہم حج پر نہیں جائیں گے، جو پیسہ ہم حج پر خرچ کرتے، وہ پیسہ ہم اس بستی کے لوگوں پر خرچ کریں گے، تاکہ ان کی بھوک پیاس اور ان کی فاقہ کشی کا سدباب ہو سکے۔

تمام عبادات میں اعتدال اختیار کریں

لہٰذا یہ نہیں کہ ہمیں حج کرنے اور عمرہ کرنے کا شوق ہوگیا ہے، اب ہمیں اپنا یہ شوق پورا کرنا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں شریعت کے دوسرے تقاضے نظرانداز ہو جائیں۔ بلکہ شریعت نام ہے توازن کا، کہ جس وقت میں اور جس جگہ میں جو ہم سے مطالبہ ہے، اس مطالبے کو پورا کریں اور یہ دیکھیں کہ اس وقت میرے مال کا زیادہ صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے جس کی اس وقت میں زیادہ ضرورت ہے؟ نفلی عبادتوں میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا زیادہ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے اور آپ کو حج کے انوار و برکات عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس کو قبول فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

محرم اور عاشوراء کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸ ۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ط

محرّم اور عاشوراء کی حقیقت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَأَشۡهَدُاَنۡ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِیۡكَ لَهٗ وَأَشۡهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا كَثِیۡرًا ۔

أَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَآ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ۔

(سورۃ التوبۃ: آیت ۳۶)

أمنت بالله صدق الله مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللهِ ربّ العالمین

حرمت والا مہینہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے اور تین دن کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ عاشوراء کا مقدس دن آنے والا ہے۔ یوں تو سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے تیس دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، لیکن اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان ایام میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ یہ محرم کا مہینہ بھی ایک ایسا مہینہ ہے جس کو قرآن کریم نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے۔ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ چار مہینے ایسے ہیں جو حرمت والے ہیں، ان میں سے ایک محرم کا مہینہ ہے۔

عاشوراء کا روزہ

خاص طور پر محرم کی دسویں تاریخ جس کو عام طور پر ''عاشوراء'' کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں ''دسواں دن'' یہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا خصوصی طور پر حامل ہے۔ جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک ''عاشوراء'' کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا، بعد

میں جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو اس وقت عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کو سنّت اور مستحب قرار دیا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ عاشوراء کے روزے کی اتنی بڑی فضیلت آپ نے بیان فرمائی۔

''یوم عاشوراء'' ایک مقدّس دن ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نواسے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشوراء کا دن مقدس اور حرمت والا بن گیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عاشوراء کا دن مقدس دن سمجھا جاتا تھا اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے اور قرآن کریم نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا، جبکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال کے بعد پیش آیا، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ عاشوراء کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا اس روز واقع ہونا یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزید فضیلت

کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا مرتبہ اس دن میں عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آ رہا تھا، بہرحال! یہ عاشوراء کا دن ایک مقدس دن ہے۔

اس دن کی فضیلت کی وجوہات

اس دن کے مقدس ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اس دن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دنوں پر کیا فضیلت دی ہے؟ اور اس دن کا کیا مرتبہ رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اترے تو وہ عاشوراء کا دن تھا، جب نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اتری تو وہ عاشوراء کا دن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اور اس آگ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے گلزار بنایا تو وہ عاشوراء کا دن تھا اور قیامت بھی عاشوراء کے دن قائم ہوگی۔ یہ باتیں لوگوں میں مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں، کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جو یہ بیان کرتی ہو کہ یہ واقعات عاشوراء کے دن پیش آئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی

صرف ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پر پہنچ گئے اور

پیچھے سے فرعون کا لشکر آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر ماریں، اس کے نتیجے میں دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ان راستوں کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر دریا کے پار چلا گیا اور جب فرعون دریا کے پاس پہنچا اور اس نے دریا میں خشک راستے دیکھے تو وہ بھی دریا کے اندر چلا گیا، لیکن جب فرعون کا پورا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو وہ پانی مل گیا اور فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہوگیا۔ یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا، اس کے بارے میں ایک روایت موجود ہے جو نسبتاً بہتر روایت ہے، لیکن اس کے علاوہ جو دوسرے واقعات ہیں، ان کے عاشوراء کے دن میں ہونے پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

فضیلت کے اسباب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو فضیلت بخشی؟ بلکہ یہ سب اللہ جل شانہ کے بنائے ہوئے ایام ہیں، وہ جس دن کو چاہتے ہیں اپنی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کے لئے منتخب فرما لیتے ہیں، وہی اس کی حکمت اور مصلحت کو جاننے والے ہیں، ہمارے اور آپ کے ادراک سے ماوراء بات ہے، اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

اس روز سنّت والے کام کریں

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اپنی رحمت اور برکت کے نزول کے لئے منتخب کرلیا تو اس کا تقدس یہ ہے کہ اس دن کو اس کام میں استعمال کیا جائے جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو، سنّت کے طور پر اس دن کے لئے صرف ایک حکم دیا گیا ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن میں روزہ رکھنا گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ بس یہ ایک حکم سنّت ہے، اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

یہودیوں کی مشابہت سے بچیں

اس میں ایک مسئلہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آتا تو آپ ﷺ روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو "عاشوراء" کا دن آیا تو آپ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور ساتھ میں یہ ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم مسلمان بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ وہی تھی کہ اس دن میں چونکہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی، اس کے شکرانے کے طور پر یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی

اس دن روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے، اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا، ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا روزہ بھی رکھوں گا تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہوجائے۔

ایک کے بجائے دو روزے رکھیں

لیکن اگلے سال عاشوراء کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور آپ ﷺ کو اس پر عمل کرنے کی نوبت نہیں ملی۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا اور ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا ایک روزہ اور ملاکر رکھا اور اس کو مستحب قرار دیا اور تنہاء عاشوراء کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ قرار دیا، یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشوراء کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اس کو عاشوراء کے دن روزہ کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دو روزے رکھنے کی تھی، اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر یہ ہے کہ ایک روزہ اور ملاکر دو روزے رکھے جائیں۔

عبادت میں بھی مشابہت نہ کریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنی مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی، حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی، بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کر رہے ہیں، ہم بھی اس دن وہی عبادت کر رہے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے اور ان پر فوقیت رکھتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کا ظاہر و باطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہئے، اس کا طرز عمل، اس کی چال ڈھال، اس کی وضع قطع، اس کا سراپا، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی عبادتیں وغیرہ ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہئے۔ چنانچہ احادیث میں یہ احکام جا بجا ملیں گے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو، مثلاً فرمایا:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْن۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب فی العمائم)

یعنی مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیراتے ہیں، ان سے اپنا ظاہر و باطن الگ رکھو۔

مشابہت اختیار کرنے والا انہی میں سے ہے

جب عبادت کے اندر اور بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو دوسرے کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بُری بات ہوگی۔ اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے تا کہ میں ان جیسا نظر آؤں، تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَن تشبه بقوم فهو منهم۔

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة)

جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ اسی قوم کے اندر داخل ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص انگریزوں کا طریقہ اس لئے اختیار کرے تا کہ میں دیکھنے میں انگریز نظر آؤں تو یہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں بلکہ ویسے ہی مشابہت اختیار کرلی تو یہ مکروہ ضرور ہے۔

غیر مسلموں کی نقالی چھوڑ دیں

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہیں رہا، اپنے طریقہ کار میں، وضع قطع میں، لباس پوشاک میں، اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں، کھانے پینے کے طریقوں میں، زندگی کے ہر کام میں ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرلی ہے، ان کی طرح کا لباس پہن رہے ہیں، ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں، ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں،

ان کی طرح بیٹھتے ہیں، زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند نہیں فرمایا، اس سے سبق ملتا ہے کہ ہم نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی جو نقالی اختیار کر رکھی ہے، خدا کے لئے اس کو چھوڑیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نقالی کریں، ان لوگوں کی نقالی مت کریں جو روزانہ تمہاری پٹائی کرتے ہیں، جنہوں نے تم پر ظلم اور استبداد کا شکنجہ کسا ہوا ہے، جو تمہیں انسانی حقوق دینے کو تیار نہیں، ان کی نقالی کر کے آخر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ ہاں دنیا میں بھی ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

عاشوراء کے روز دوسرے اعمال ثابت نہیں

بہر حال! اس مشابہت سے بچتے ہوئے عاشوراء کا روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے۔ عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم تو برحق ہے، لیکن روزے کے علاوہ عاشوراء کے دن لوگوں نے جو اور اعمال اختیار کر رکھے ہیں، ان کی قرآن کریم اور سنت میں کوئی بنیاد نہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عاشوراء کے دن کھچڑا پکنا ضروری ہے، اگر کھچڑا نہیں پکایا تو عاشوراء کی فضیلت ہی حاصل نہیں ہوگی۔ اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے اور تابعینؒ نے اور بزرگان

دین نے اس پر عمل کیا، صدیوں تک اس عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

عاشوراء کے دن گھر والوں پر وسعت کرنا

ہاں ایک ضعیف اور کمزور حدیث ہے، مضبوط حدیث نہیں ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر اور ان لوگوں پر جو اس کے عیال میں ہیں، مثلاً اس کے بیوی بچے، گھر کے ملازم وغیرہ، ان کو عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا کھلائے اور کھانے میں وسعت اختیار کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ انشاء اللہ حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہئے، اس کے آگے لوگوں نے جو چیزیں اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں، ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظُلم مَت کرو

قرآن کریم نے جہاں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے، اس جگہ پر ایک عجیب جملہ یہ ارشاد فرمادیا کہ:

فَلاَ تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَکُمْ۔

(سورۃ التوبۃ، آیت ۳۶)

یعنی ان حرمت والے مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے بچو، بدعات اور منکرات سے بچو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں، جانتے تھے کہ ان حرمت والے مہینوں میں لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں گے اور اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ کر ان پر عمل کرنا شروع کر دیں گے، اس لئے فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

دوسروں کی مجالس میں شرکت مت کرو

شیعہ حضرات اس مہینے میں جو کچھ کرتے ہیں، وہ اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں لیکن بہت سے اہل سنت حضرات بھی ایسی مجلسوں میں اور تعزیوں میں اور ان کاموں میں شریک ہو جاتے ہیں جو بدعت اور منکر کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ قرآن کریم نے تو صاف حکم دیدیا کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو بلکہ ان اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں اور اس کے لئے روزہ رکھنے میں اور اس کی طرف رجوع کرنے میں اور اس سے دعائیں کرنے میں صرف کرو اور ان فضولیات سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس مہینے کی حرمت اور عاشوراء کی حرمت اور عظمت سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس دن کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✿✿✿

✿

کلمہ طیبہ کے تقاضے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

کلمہ طیّبہ کے تقاضے

اور

اللہ والوں کی معیّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط يٰاَ يُّهَا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ O امنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم وصدق رسوله النبى الكريم ونحن على ذٰلك من الشاهدين والشاكرين والحمد للّٰه ربّ العالمين۔

(سورۃ التوبۃ، آیت ۱۱۹)

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج اس مبارک مدرسہ میں حاضر ہوکر ایک زمانہ دراز کی دلی تمنا پوری ہو رہی ہے، عرصہ دراز سے اس مبارک درسگاہ میں حاضری کا شوق تھا اور میرے مخدوم بزرگ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی دامت برکاتہم العالیہ (اب ان کا انتقال ہو چکا ہے، رحمۃ اللہ علیہ) کی زیارت اور ان کی صحبت سے استفادہ کی غرض سے بار بار یہاں آنے کو دل چاہتا تھا، لیکن مصروفیات اور مشاغل نے اب تک مہلت نہ دی، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ آج یہ دیرینہ آرزو اس نے پوری فرمائی۔ یہاں حاضری کا میرا اصل مقصد حضرت دامت برکاتہم کی زیارت اور ان کے حکم کی تعمیل تھی، جب میں یہاں حاضری کا ارادہ کر رہا تھا تو ذہن میں بالکل نہیں تھا کہ ماشاء اللہ اتنا بڑا مسلمانوں کا اجتماع موجود

ہوگا اور ان سے خطاب کرنے کی نوبت آئے گی۔ بہرصورت یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے حضرت مولانا کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع کی بھی زیارت کی توفیق عطا فرمائی جو خالصتاً اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور اللہ کے دین کی طلب کی خاطر اس صحن میں جمع ہے۔

ان کا حسن ظن سچا ہو جائے

میرے بزرگ حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابیاں عطا فرمائے اور ان کے فیوض سے ہمیں مستفید فرمائے، انہوں نے مجھ ناکارہ کے بارے میں جو تعارفی کلمات ارشاد فرمائے، وہ میرے لئے باعث شرم ہیں اور یہ ان کی شفقت ہے اور کرم فرمائی ہے کہ انہوں نے مجھ ناکارہ کے بارے میں ان خیالات کا اظہار فرمایا، میں سوائے اس کے اور کیا عرض کروں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اس حسن ظن کو میرے حق میں سچا فرما دے، آپ حضرات سے بھی اسی دُعا کی درخواست ہے۔

سوچ رہا تھا کہ اس موقع پر آپ حضرات کی خدمت میں کیا عرض کروں؟ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب مدظلہم العالی سے بھی پوچھا کہ کس موضوع پر بیان کروں؟ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، یہاں بیٹھنے کے بعد دل میں ایک بات آئی اور اسی کے بارے میں چند مختصر گذارشات آپ حضرات کی خدمت

میں عرض کروں گا۔

یہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی محبّت کا نتیجہ ہے

میں دیکھ رہا ہوں کہ ماشاء اللہ مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع ہے کہ چہروں پر مسرّت کے آثار ہیں، شوق و ذوق کے آثار ہیں، طلب کے آثار ہیں۔ یہ آخر کیوں؟

دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھ جیسا ایک ناکارہ مفلسِ علم بے عمل انسان ان کے سامنے بیٹھا ہے، اکثر حضرات وہ ہیں کہ جن سے اس سے پہلے ملاقات کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، لیکن آخر وہ کیا بات ہے کہ اک اَن دیکھا شخص جس کو پہلے کبھی دیکھا نہیں، کبھی برتا نہیں، ایسے شخص کو دیکھنے کے لئے اتنا شوق و ذوق! اس کی بات سننے کے لئے اتنا ذوق و شوق! یہ آخر کیا بات ہے؟ ذہن میں یہ آیا کہ میری حالت تو جو کچھ ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی اصلاح فرمائے۔ لیکن جو طلب اور جو ذوق و شوق لے کر یہ اللہ کے بندے یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امّتی اس صحن کے اندر جمع ہوئے ہیں، یہ ہم سب کے لئے اتنی بڑی سعادت اور اتنی بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اس کا بیان الفاظ سے نہیں ہوسکتا۔ یہ درحقیقت محبّت ہے، ایک شخص سے نہیں، ایک ذات سے نہیں، یہ محبّت ہے اللہ کی اور اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اس کی خاطر یہ سب نظارے دیکھنے میں آتے ہیں اور میں یہ نظارے آج پہلی مرتبہ نہیں دیکھ رہا ہوں، اس سے پہلے بھی ایسے ایسے مقامات

پر دیکھے ہیں جہاں اس کا کوئی تصور بھی انسان کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔

کلمہ طیبہ نے ہم سب کو ملا دیا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کے بہت سے ملکوں میں جانے کا موقع فراہم فرمایا، ایسے ایسے کفرستانوں میں جہاں کفر کی ظلمت چھائی ہوئی ہے، اندھیرا چھایا ہوا ہے، ایسی ایسی جگہوں پر جو ہماری زبان نہیں جانتے، ایک جملہ ہم بولیں تو وہ اس کو سمجھ نہیں سکتے، وہ اگر کوئی جملہ بولیں تو ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے، لیکن ابھی گزشتہ سال مجھے چین جانے کا اتفاق ہوا، آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے اور وہاں پر کافر اور غیر مسلم آباد ہیں، لیکن وہاں پر اللہ کے مسلمان بندے بھی ہیں، وہاں جا کر پہلی بار یہ بات تحقیق سے معلوم ہوئی کہ چین کے اندر مسلمانوں کی تعداد کم از کم آٹھ کروڑ ہے۔ جب گاؤں اور دیہات میں یہ اطلاع پہنچی کہ پاکستان سے کچھ مسلمان آ رہے ہیں تو گھنٹوں پہلے سے دونوں طرف دورویہ قطاریں لگا کر انتظار میں کھڑے ہو گئے، حالانکہ برف باری ہو رہی تھی، لیکن اس انتظار میں کہ پاکستان سے کچھ مسلمان آئے ہیں ان کو دیکھیں، چنانچہ جب ہم وہاں پہنچے اور انہوں نے ہمیں دیکھا تو کوئی جملہ وہ ہم سے نہیں کہہ سکتے تھے اور ہم کوئی جملہ ان سے نہیں کہہ سکتے تھے، کیونکہ وہ ہماری زبان نہیں جانتے اور ہم ان کی زبان نہیں جانتے، لیکن ایک لفظ ایسا ہے جو ہمارے دین نے ہمیں مشترک دے دیا ہے، خواہ کوئی زبان انسان بولتا ہو، اپنے دل کی ترجمانی وہ اس لفظ کے ذریعہ کرسکتا ہے، وہ ہے السلام علیکم

ورحمۃ اللہ! تو ہر شخص دیکھنے کے بعد السلام علیکم کا نعرہ لگاتا اور یہ کہہ کر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک رشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے درمیان پیدا فرما دیا، چاہے وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا، کوئی زبان بولتا ہو، بات اس کی سمجھ میں آتی ہو یا نہ آتی ہو، اس کی معاشرت، اس کی تہذیب اور اس کی قومیت کچھ بھی ہو، لیکن جب یہ پتہ چل گیا کہ یہ مسلمان ہے اور کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے رشتہ میں ہمارے ساتھ شریک ہے تو اس کے لئے دل کے اندر محبت کے جذبات ابھرنے شروع ہو جاتے ہیں، ہمیں اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے رشتوں میں جوڑا ہے، ان میں جو سب سے مضبوط رشتہ جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا، جو کبھی کمزور نہیں پڑسکتا، وہ رشتہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا رشتہ۔

اس رشتے کو کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی

میرا بنگلہ دیش جانے کا اتفاق ہوا، جو کبھی بہر حال پاکستان ہی کا حصہ تھا، مشرقی پاکستان کہلایا کرتا تھا، وہاں لوگوں کے اندر یہ بات مشہور ہے کہ جب سے بنگلہ دیش الگ ہوا، اس وقت سے پورے بنگلہ دیش میں ڈھاکہ سے لے کر چٹاگام اور سلہٹ تک کسی جگہ اردو سنائی نہیں دیتی، اس لئے کہ اردو کا تو بیج مار دیا گیا، بلکہ اردو کا لفظ سن کر لوگوں کو غصّہ آتا ہے کہ اردو زبان میں کیوں بات کی گئی؟ بنگلہ زبان میں بات کرو یا انگریزی میں۔

جب چٹاگام پہنچا تو وہاں یہ اعلان ہوگیا کہ فلاں میدان میں بیان ہوگا،

چنانچہ وہ میدان پورا بھر گیا، اس مجمع کے اندر میں نے اردو میں بیان کیا۔ اس میں لوگوں کا اندازہ یہ تھا کہ کم از کم پچاس ہزار مسلمانوں کا اجتماع تھا اور لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ بنگلہ دیش بننے کے بعد اتنا بڑا اجتماع ہم نے نہیں دیکھا، اور لوگوں کا کہنا یہ بھی تھا کہ اگر کوئی اتنے بڑے جلسے کے اندر اردو زبان میں بیان کرے تو لوگ اس کے خلاف نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں، احتجاج شروع کر دیتے ہیں، لیکن لوگوں نے میری بات اتنی محبّت سے، اتنے پیار سے اور اتنے اشتیاق سے سنی کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ وہاں بھی میں نے یہ بات عرض کی کہ ہمارے درمیان سرحدیں قائم ہو سکتی ہیں، پولیس اور فوج کے پہرے حائل ہو سکتے ہیں، دریا اور سمندر اور پہاڑوں کے فاصلے حائل ہو سکتے ہیں، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے رشتے میں پرو دیا ہے کہ اس کو دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی، اور وہ ہے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس کلمہ کے ذریعہ زندگی میں انقلاب آ جاتا ہے

یہ کلمہ جس نے ہمیں اور آپ کو جوڑا ہوا ہے، عجیب و غریب چیز ہے، عجیب و غریب مناظر دکھاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کلمہ ایسا ہے کہ انسان کی زندگی میں اس کلمے کے پڑھتے ہی اتنا بڑا انقلاب برپا ہوتا ہے کہ اس سے بڑا انقلاب کوئی ہو نہیں سکتا، ایک شخص جو اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے کافر تھا، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس شخص نے یہ کلمہ

نہیں پڑھا تھا اس وقت تک وہ جہنمی تھا، اللہ کا مبغوض تھا، دوزخ کا مستحق تھا، اور اس کلمے کو پڑھنے کے بعد ایک لمحے کے اندر وہ شخص جنتی بن گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب بن گیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ۔

جو شخص لا الہ الا اللہ کہدے بس جنّتی ہے۔

گناہوں کی سزا بھگتے گا اگر گناہ کئے ہیں، گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخر انجام اس کا جنّت ہے۔ گناہ کئے، غلطیاں کیں، کوتاہیاں کیں، اگر اس نے توبہ نہیں کی تو سزا ملے گی، لیکن سزا ملنے کے بعد آخری انجام اسکا جنّت ہے۔ یہ میری بات نہیں، یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے کہ اس سے زیادہ سچا اس کائنات میں کوئی اور کلام ہو نہیں سکتا کہ وہ جنّتی ہے، اور کلمہ شریف پڑھنے کے بعد ایک شخص جہنم کے ساتویں طبقے سے نکل کر جنّت الفردوس کے اعلیٰ ترین طبقے تک پہنچ جاتا ہے۔

ایک چرواہے کا واقعہ

غزوہ خیبر کا واقعہ یاد آیا، غزوہ خیبر وہ جہاد ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے خلاف حملہ کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے تھے، خیبر کے قلعے کے باہر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اور اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اس میں کئی دن گزر گئے، لیکن قلعہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا۔ اندر سے یہودیوں کا

ایک چرواہا باہر نکلا، وہ بکریاں چرا رہا تھا، سیاہ فام تھا، کالی رنگت تھی اور کسی یہودی نے اس کو بکریاں چرانے کے لئے اپنا نوکر رکھا ہوا تھا، وہ بکریاں چرانے کی غرض سے خیبر کے قلعے سے باہر نکلا، تو دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ اس نے یہ سن رکھا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجاز سے یہاں پر حملہ کرنے کے لئے آئے ہیں، یثرب کے بادشاہ ہیں، اس کے دل میں خیال آیا کہ ذرا میں بھی دیکھوں، آج تک میں نے کوئی بادشاہ نہیں دیکھا، اور دیکھ کے آؤں کہ یثرب کا بادشاہ کیسا ہے اور وہ کیا بات کہتا ہے؟ لوگوں سے پوچھا کہ سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے اشارہ کرکے بتادیا کہ فلاں خیمہ کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ اوّل تو وہ خیمے کو دیکھ کر ہی حیران رہ گیا، اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب یہ یثرب کے بادشاہ ہیں اور جن کی قوت اور طاقت کا ڈنکا بجا ہوا ہے تو ان کا جو خیمہ ہوگا وہ قالینوں سے مزین ہوگا، اس میں شاندار پردے پڑے ہوئے ہوں گے، باہر پہرے دار کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہوں گے۔ وہاں جاکر دیکھا تو ایک معمولی کھجور کا بنا ہوا خیمہ نظر آرہا ہے، نہ کوئی چوکیدار ہے نہ کوئی پہردار ہے، نہ کوئی مصاحب ہے نہ کوئی ہٹو بچو کے نعرے لگانے والا ہے۔ خیر وہ چرواہا اندر داخل ہوگیا، اندر سرکارِ دوعالم رحمت للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو بڑی عجیب وغریب نورانی صورت نظر آئی، وہ جلوہ نظر آیا تو دل کچھ کھچنا شروع ہوا، جاکر عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں پر کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام اور آپ (صلی

اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کیا ہے؟ نبی کریم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تو ایک ہی دعوت ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ مانو اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لو، کچھ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ جہاں آرا اور کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان دونوں کا طبیعت پر اثر ہونا شروع ہوا تو اس نے پوچھا: اچھا یہ بتائیے کہ اگر میں آپ کی اس دعوت کو قبول کر لوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لوں تو میرا انجام کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا انجام یہ ہوگا کہ تم تمام مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل کر لو گے، ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے اور جو ایک مسلمان کا حق ہے وہی تمہارا بھی حق ہوگا۔ اس نے کہا کہ آپ مجھے سینے سے لگائیں گے؟ ساری عمر کبھی یہ بات اس کے تصور میں بھی نہیں آئی تھی کہ کوئی سردار یا کوئی بادشاہ یا کوئی سربراہ مجھے گلے لگا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ میرا حال تو یہ ہے کہ میں سیاہ فام ہوں، میری رنگت کالی ہے، میرے جسم سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے کیسے سینے سے لگائیں گے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب تم یہ ایمان قبول کر لو گے تو پھر سب تمہیں سینے سے لگائیں گے، تمہارے حقوق تمام مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنے بڑے بادشاہ ہو کر مجھ سے مذاق کی بات کرتے ہیں یہ کہہ کر کہ مجھے گلے سے لگائیں گے، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں مذاق نہیں کرتا، واقعتہً میں اس دین کا پیغام لے کر آیا ہوں جو کالے اور گورے، امیر

اور مامور، غریب اور سرمایہ دار کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتا، وہاں تو فضیلت اس کو حاصل ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہو،اس واسطے تم ہمارے برابر ہو گے اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے۔ اس نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں مسلمان ہوتا ہوں۔ پھر اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ پھر اس نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب میں مسلمان ہو چکا، اب مجھے بتایئے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ میرے ذمہ فرائض کیا ہیں؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسے وقت میں مسلمان ہوئے ہو کہ نہ تو یہ کوئی نماز کا وقت ہے کہ تمہیں نماز پڑھوائی جائے، نہ یہ رمضان کا مہینہ ہے کہ تم سے روزہ رکھوایا جائے، نہ تمہارے پاس مال و دولت ہے کہ تم سے زکوٰۃ دلوائی جائے۔ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔ وہ عبادتیں جو عام مشہور ہیں ان کا تو کوئی موقع نہیں، البتہ اس وقت خیبر کے میدان میں ایک عبادت ہو رہی ہے اور یہ وہ عبادت ہے جو تلواروں کے سائے میں انجام دی جاتی ہے، وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ، تو آؤ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اس جہاد میں شامل ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جہاد میں شامل تو ہو جاؤں لیکن جہاد میں دونوں باتیں ممکن ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح عطا فرما دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان اپنا خون دے کر آئے، تو اگر میں اس جہاد میں مر گیا اور شہید ہوگیا تو پھر میرا کیا ہوگا؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو میں تمہیں بشارت دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں سیدھے

جنّت الفردوس کے اندر لے جائیں گے، تمہارے اس سیاہ جسم کو اللہ تبارک و تعالیٰ منور جسم بنا دیں گے، نورانی جسم بنا دیں گے، اور تم کہتے ہو کہ میرے جسم سے بدبو اٹھ رہی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو میں تبدیل فرما دیں گے۔ اس نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو بس مجھے اور کسی چیز کی حاجت نہیں۔ وہ جو بکریاں لے کر آیا تھا اس کے بارے میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بکریاں جو تم لے کر آئے ہو، یہ کسی اور کی ہیں، ان کو پہلے واپس کر کے آؤ۔ اندازہ لگائیے! میدان جنگ ہے، دشمن کی بکریاں ہیں، وہ چرواہا دشمن سے بکریاں باہر لے کر آیا ہے، اگر آپ چاہتے تو ان بکریوں کے ریوڑ کو پکڑ کر مال غنیمت میں شامل فرما لیتے، لیکن وہ چرواہا ان کو بطور امانت لے کر آیا تھا اور امانت کو واپس دلوانا یہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سرفہرست تھا، اس واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے ان بکریوں کو قلعے کی طرف بھگا دو تا کہ یہ شہر کے اندر چلی جائیں اور جو مالک ہے اس تک پہنچ جائیں، تو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں واپس کروائیں پھر اس کے بعد وہ چرواہا جہاد میں شامل ہو گیا، کئی روز تک جہاد جاری رہا، جب جہاد ختم ہوا اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول شہداء اور زخمیوں کا جائزہ لینے کے لئے نکلے تو جہاں بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور متعدد صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے، دیکھا کہ ایک لاش پڑی ہوئی ہے، اس کے گرد صحابہ کرامؓ جمع ہیں اور آپس میں یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ یہ کس کی لاش ہے؟ اس واسطے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو پتہ نہیں تھا کہ

یہ کون ہے، پہچانتے نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، جا کر دیکھا تو یہ وہی اسود غالبی چرواہے کی لاش تھی، نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ شخص بھی عجیب وغریب انسان ہے، یہ ایسا انسان ہے کہ اس نے اللہ کے لئے کوئی سجدہ نہیں کیا، ایک نماز نہیں پڑھی، اس نے کوئی روزہ نہیں رکھا، اس نے ایک پیسہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا، لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ سیدھا جنّت الفردوس میں پہنچا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیا ہے، میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا یہ انجام فرمایا۔ بہرحال! یہ جو میں عرض کررہا تھا کہ ایک لمحے میں یہ کلمہ انسان کو جہنم کے ساتویں طبقے سے نکال کر جنّت الفردوس کے اعلیٰ ترین طبقے تک پہنچا دیتا ہے، کوئی مبالغہ کی بات نہیں، واقعہ پیش آیا ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا کلمہ بنایا ہے۔

کلمہ طیّبہ پڑھ لینا، معاہدہ کرنا ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کلمہ جو اتنا بڑا انقلاب برپا کرتا ہے کہ جو پہلے دوست تھے وہ دشمن بن گئے، جو پہلے دشمن تھے وہ اب دوست بن گئے، بدر کے میدان میں باپ نے بیٹے کے خلاف اور بیٹے نے باپ کے خلاف تلوار اٹھائی ہے اس کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وجہ سے، تو اتنا بڑا انقلاب جو برپا ہورہا ہے، کیا یہ کوئی منتر ہے یا کوئی جادو ہے کہ یہ منتر پڑھا اور جادو کے کلمات زبان

سے ادا کئے اور اس کے بعد انسان کے اندر انقلاب برپا ہوگیا۔ ان الفاظ میں کوئی تاثیر ہے یا کیا بات ہے؟ حقیقت میں یہ کوئی منتر یا جادو یا طلسم قسم کے کلمات نہیں، حقیقت میں اس کلمہ کے ذریعہ جو انقلاب برپا ہوتا ہے یا وہ اس واسطے ہوتا ہے کہ جب میں نے کہہ دیا کہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے ایک معاہدہ کرلیا اور ایک اقرار کرلیا اس بات کا کہ آئندہ حکم مانوں گا تو صرف اللہ کا مانوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکاؤں گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود قرار نہیں دوں گا، کسی اور کی بات اللہ کے خلاف نہیں مانوں گا۔ یہ ایک معاہدہ ہے جو انسان نے کرلیا اور جب اللہ کو اللہ قرار دے لیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا، جس کے معنی یہ ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو پیغام لے کر آئیں گے، اس کے آگے سر تسلیم خم کر دوں گا، چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے، چاہے عقل مانے یا نہ مانے، دل چاہے یا نہ چاہے، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حکم آ گیا تو اس کے بعد پھر اس کی سرتابی کرنے کی مجال نہیں ہوگی۔ یہ ہے معاہدہ، یہ ہے اقرار، یہ ہے میثاق، یہ ہے اعلان اس بات کا کہ آج سے میں نے اپنی زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی کے تابع بنالیا۔ انسان جب یہ اقرار کرلیتا ہے اور یہ معاہدہ کرلیتا ہے تو اس دن سے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کی زندگی میں اتنا بڑا انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کے کیا تقاضے ہیں؟

اس سے پتہ چلا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ محض کوئی زبانی جمع خرچ نہیں ہے کہ زبان سے کہہ لیا اور بات ختم ہوگئی، بلکہ آپ نے جس دن یہ کلمہ پڑھا،اس دن آپ نے اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے کر دیا اور اس بات کا وعدہ کرلیا کہ اب میری کچھ نہیں چلے گی، اب تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے تابع زندگی گزاروں گا۔ لہٰذا اس کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے کچھ تقاضے ہیں کہ زندگی گزارو تو کس طرح گزارو،عبادت کس طرح کرو، لوگوں کے ساتھ معاملات کس طرح کرو، اخلاق تمہارے کیسے ہوں، معاشرت تمہاری کیسی ہو، زندگی کے ایک ایک شعبے میں ہدایات ہیں جو اس کلمے کے دائرہ کے اندر آتی ہیں، اور وہ ہدایات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زبان مبارک سے بھی دے کر گئے ہیں اور اپنے افعال سے بھی، اپنی زندگی کی ایک ایک نقل وحرکت سے اور ایک ایک ادا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین کا طریقہ سکھا کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے، اور زندگی اس کے مطابق گزارنے کا نام ہی درحقیقت تقویٰ ہے،تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کا ڈر، کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور معاہدہ تو کرلیا لیکن میں جب آخرت میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے کہ جو معاہدہ میں نے کیا تھا،میں نے اس

معاہدہ کو پورا نہیں کیا، اس بات کا خوف اور اس بات کے ڈر کا نام ہے تقویٰ!

تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ

پورا قرآن کریم اس سے بھرا ہوا ہے کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، سارے دین کا خلاصہ اس تقویٰ کے اندر آ جاتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ:

وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام بھی عجیب وغریب ہے، کلام اللہ کے عجیب وغریب اعجازات ہیں، ایک جملہ کے اندر باری تعالیٰ جتنا کچھ انسان کے کرنے کا کام ہوتا ہے وہ بھی سارے کا سارا بتا دیتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے کا جو طریقہ ہے اور اس کا جو آسان راستہ ہے وہ بھی اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو بتا دیتے ہیں کہ ویسے کرنا تمہارے لئے مشکل ہو گا، ہم تمہیں اس کا راستہ بتائے دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اختیار کرلیا تو اب اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، تقویٰ میں سبھی کچھ آ گیا، لیکن سوال پیدا ہوا کہ تقویٰ کیسے اختیار کریں؟ تقویٰ تو بڑا اونچا مقام ہے، اس کے لئے بڑے تقاضے ہیں، بڑی شرائط ہیں، وہ کیسے اختیار کریں، کہاں سے اختیار کریں؟ اس کا جواب اگلے جملے میں باری تعالیٰ نے دے دیا کہ ویسے تقویٰ اختیار کرنا تمہارے لئے مشکل ہو گا لیکن آسان راستہ تمہیں بتائے دیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ **کونو مع الصادقین** سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ، صادقین کے ساتھی بن

جاؤ۔ سچے کے معنی صرف یہی نہیں کہ وہ سچ بولتے ہوں اور جھوٹ نہ بولتے ہوں، بلکہ سچے کے معنی یہ ہیں کہ جو زبان کے سچے، جو بات کے سچے، جو معاملات کے سچے، جو معاشرت کے سچے، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ اپنے کئے ہوئے معاہدے میں سچے ہیں، ان کے ساتھی بن جاؤ اور ان کی صحبت اختیار کرو، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کرو، جب اٹھنا بیٹھنا شروع کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے تقویٰ کی جھلک تمہارے اندر بھی پیدا فرما دیں گے۔ یہ ہے تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ اور اسی طریقہ سے دین منتقل ہوتا چلا آیا ہے، نبی کریم سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک جو دین آیا ہے، وہ سچے لوگوں کی صحبت سے آیا، صادقین کی صحبت سے آیا۔

صحابہؓ نے دین کہاں سے حاصل کیا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دین کہاں سے حاصل کیا؟ کسی یونیورسٹی میں پڑھا؟ کسی کالج میں پڑھا،؟ کوئی سرٹیفکیٹ حاصل کیا؟ کوئی ڈگری لی؟ ایک ہی یونیورسٹی تھی وہ سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تھی، آپ ﷺ کی خدمت میں رہے، آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی، اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین کا رنگ چڑھا دیا، ایسا چڑھایا ایسا چڑھایا کہ اس آسمان و زمین کی نگاہوں نے دین کا ایسا چڑھا ہوا رنگ نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا، نہ اس کے بعد دیکھ سکے گی۔ وہ لوگ جو دنیا کے معمولی معمولی معاملات کے اوپر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوتے تھے، ایک دوسرے

کے خون کے پیاسے بن جاتے تھے، ایک دوسرے کی جان لینے پر آمادہ ہو جاتے تھے، ان کی نظر میں دنیا ایسی بے حقیقت ہوئی اور ایسی ذلیل ہوئی اور ایسی خوار ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے اور آخرت کے بہبود کے آگے ساری دنیا کے خزانوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

حضرت عبیدہ بن جراحؓ کا دنیا سے اعراض

حضرت عُبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ یاد آیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتیں جو اس زمانے کی سپر پاور سمجھی جاتی تھیں (جیسے آج کل روس اور امریکہ) ان کا غرور اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں خاک میں ملا دیا۔ عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے دورے پر تشریف لے گئے کہ دیکھیں کیا حالات ہیں؟ تو وہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائی کا گھر دیکھوں، دل میں شاید یہ خیال ہوگا کہ عبیدہ بن جراح مدینے سے آئے ہیں اور شام کے گورنر بن گئے ہیں، مدینہ منورہ کا علاقہ بے آب و گیاہ تھا اور اس میں کوئی زرخیزی نہیں تھی، معمولی کھیتی باڑی ہوا کرتی تھی اور شام میں کھیت لہلہا رہے ہیں، زرخیز زمینیں ہیں اور روم کی تہذیب پوری طرح وہاں پر مسلّط ہے تو یہاں آنے کے بعد کہیں ایسا تو نہیں کہ دنیا کی محبّت

ان کے دل میں پیدا ہوگئی ہو اور اپنا کوئی عالی شان گھر بنالیا ہو جس میں بڑے عیش وعشرت کے ساتھ رہتے ہوں۔ شاید اسی قسم کا کچھ خیال حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہوا ہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنے بھائی یعنی عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا کہ امیر المومنین! آپ میرا گھر دیکھ کر کیا کریں گے، آپ میرا گھر دیکھیں گے تو آپ کو شاید آنکھیں نچوڑنے کے سوا کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ بھائی کا گھر دیکھوں۔ حضرت عبیدہؓ ایک دن ان کو اپنے ساتھ لے کر چلے، چلتے جا رہے ہیں چلتے جا رہے ہیں، کہیں گھر نظر ہی نہیں آتا، جب شہر کی آبادی سے باہر نکلنے لگے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ بھائی! میں تمہارا گھر دیکھنا چاہتا تھا، تم کہاں لے جا رہے ہو؟ فرمایا امیر المومنین! میں آپ کو اپنے گھر ہی لے جا رہا ہوں، بستی سے نکل گئے تو لے جا کر ایک گھاس پھونس کے جھونپڑے کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا امیر المومنین! یہ میرا گھر ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جھونپڑے کے اندر داخل ہوئے، چاروں طرف نظریں دوڑا کر دیکھنے لگے، کوئی چیز ہی نظر نہیں آتی، ایک مصلّی بچھا ہوا ہے، اس کے سوا پورے اس جھونپڑے کے اندر کوئی اور چیز نہیں، پوچھا کہ عبیدہ! تم زندہ کس طرح رہتے ہو، یہ تمہارے گھر کا سامان کہاں ہے؟ تو حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے، بڑھ کر ایک طاق سے پیالہ اٹھا کر لائے، دیکھا تو اس پیالے

کے اندر پانی پڑا ہوا تھا اور اس میں روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے بھیگے ہوئے تھے اور عرض کیا کہ امیر المومنین! مجھے اپنی مصروفیات اور ذمہ داریوں میں مصروف رہ کر اتنا وقت نہیں ملتا کہ میں کھانا پکا سکوں، اس لئے میں یہ کرتا ہوں کہ ہفتہ بھر کی روٹیاں ایک خاتون سے پکوالیتا ہوں اور وہ ہفتے بھر کی روٹی پکا کر مجھے دے جاتی ہے، میں اس کو اس پانی میں بھگو کر کھالیتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندگی اچھی گزر جاتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ تمہارا اور سامان؟ کہا کہ اور سامان کیا یا امیر المومنین! یہ سامان اتنا ہے کہ قبر تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو رو پڑے اور کہا کہ عبیدہ! اس دنیا نے ہم میں سے ہر شخص کو بدل دیا، لیکن خدا کی قسم تم وہی ہو جو سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امیر المومنین! میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے گھر پر جائیں گے تو آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ وہ شخص ہے جو شام کا گورنر تھا، آج اس شام کے اندر جو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر نگیں تھا، مستقل چار ملک ہیں، اس شام کے گورنر تھے، عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں میں دنیا کے خزانے روزانہ ڈھیر ہو رہے ہیں، روم کی بڑی بڑی طاقتیں عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سن کر لرزہ براندام ہیں، ان کے دانت کھٹے ہو رہے ہیں عبیدہؓ کے نام سے، اور روم کے محلات کے خزانے، زر و جواہر اور زیورات لا کر عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں میں ڈھیر کئے جا رہے ہیں، لیکن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے ٹھوکر مار کر

اس پھونس کے جھونپڑے میں رہ رہے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جو جماعت تیار کی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس روئے زمین پر ایسی جماعت مل ہی نہیں سکتی، دنیا کو ایسا ذلیل اور ایسا خوار کر کے رکھا کہ دنیا کی کوئی حقیقت آنکھوں میں باقی رہی ہی نہیں تھی، اس واسطے کہ ہر وقت دل میں یہ خیال لگا ہوا تھا کہ کسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، زندگی ہے تو وہ زندگی ہے، یہ چند روزہ زندگی کیا حقیقت رکھتی ہے، یہ حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں جاگزیں فرما دی تھی، اسی کا نام تقویٰ ہے۔ یہ کہاں سے حاصل ہوئی؟ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حاصل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں چند دن جس نے گزار لئے، اس کے دل میں دنیا کی حقیقت بھی واضح ہوگئی اور آخرت بھی سامنے آ گئی، تو دین اس طریقہ سے چلتا آیا ہے۔

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے، صحابہ کرامؓ سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے اور اسی طریقہ سے آخر دم تک دین اس طرح پھیلا ہے اور پہنچا ہے۔ جن کی زندگیاں تقویٰ کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں، جو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تقاضوں کو جاننے اور سمجھنے والے ہوتے ہیں، ان کی صحبت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے، یہ کتابیں پڑھنے سے نہیں

آتی، یہ محض تقریر سن لینے سے یا کر لینے سے نہیں آتی، یہ آتی ہے کسی اللہ والے کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے سے، اس کا طرزِ عمل دیکھنے سے، اس کی زندگی کی ادا کو پڑھنے سے، اور اس طرح دین کا یہ رنگ انسان کے اندر منتقل ہوتا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کتابیں پڑھ کر دین حاصل کرلوگا تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ بالکل صحیح بات کہی ہے ۔

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

دین کتاب پڑھ لینے سے نہیں آتا، لفاظیوں سے نہیں آتا، بلکہ بزرگوں کی نظر سے اور ان کی صحبت سے دین آتا ہے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سچے لوگوں کی اور اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، تو اس صحبت کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں بھی متقی بنا دیں گے، تمہارے اندر بھی وہ رنگ پیدا ہو جائے گا۔

سچے اور متقی لوگ کہاں سے لائیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سچے لوگ کہاں سے لائیں؟ ہر شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں بھی سچا ہوں، میں بھی صادق ہوں اور اسی فہرست میں داخل ہوں، بلکہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ صاحب! آج کل تو دھوکہ بازی کا دور ہے، ہر شخص لمبا کرتا پہن کر اور عمامہ سر پر لگا کر اور داڑھی لمبی کر کے کہتا ہے کہ میں بھی صادقین میں داخل ہوں، اقبال نے کہا تھا ۔

خدا وندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

یہ حالت نظر آتی ہے تو اب کہاں سے لائیں وہ صادقین جن کی صحبت انسان کو کیمیا بنا دیتی ہے، وہ کہاں سے لائیں اللہ والے جن کی ایک نظر سے انسان کی زندگیاں بدل جاتی ہیں، وہ جنید وہ شبلی رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے اولیاء کرام اس دور میں کہاں سے لے کر آئیں، کس طرح ان کی صحبت حاصل کریں، آج کل تو عیاری کا اور مکاری کا دور ہے۔

ہر چیز میں ملاوٹ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ اس کا ایک بڑا عمدہ جواب دیا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ میاں لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کل صادقین کہاں سے تلاش کریں؟ ہر جگہ عیاری مکاری کا دور ہے، تو بات دراصل یہ ہے کہ یہ زمانہ ہے ملاوٹ کا، ہر چیز میں ملاوٹ، گھی میں ملاوٹ، چینی میں ملاوٹ، آٹے میں ملاوٹ، دنیا کی ہر چیز میں ملاوٹ، یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ زہر میں بھی ملاوٹ۔ کسی نے لطیفہ سنایا کہ ایک شخص نے ہر چیز میں ملاوٹ دیکھی کہ کوئی چیز خالص نہیں ملتی تو عاجز آ گیا، اس نے سوچا کہ میں خودکشی کرلوں، اس دنیا میں زندہ رہنا فضول ہے جہاں پر کوئی چیز خالص نہیں ملتی، نہ آٹا خالص ملے، نہ چینی خالص ملے، نہ گھی خالص ملے، کچھ بھی خالص نہیں، تو اس نے سوچا کہ خودکشی کرلینی چاہئے اور اس دنیا سے چلے

جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ بازار سے زہر خرید کر لایا اور وہ زہر کھالیا، اب کھا کر بیٹھا ہے انتظار میں کہ اب موت آئے اور تب موت آئے، لیکن موت ہے کہ آتی ہی نہیں، معلوم ہوا کہ زہر بھی خالص نہیں تھا، تو دنیا کی کوئی چیز خالص نہیں، ہر چیز میں ملاوٹ ہے۔ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی ہر چیز میں ملاوٹ ہے تو بھائی آٹے میں بھی ملاوٹ ہے اور یہ آٹا بھی خالص نہیں ملتا، لیکن یہ بتاؤ کہ اگر آٹا خالص نہیں ملتا تو کسی نے آٹا کھانا چھوڑ دیا کہ صاحب! آٹا تو اب خالص ملتا نہیں، لہٰذا اب آٹا نہیں کھائیں گے، اب تو بھس کھایا کریں گے، یا گھی اگر خالص نہیں ملتا تو کسی نے گھی کھانا چھوڑ دیا کہ صاحب! گھی تو اب خالص ملتا نہیں، لہٰذا اب مٹی کا تیل استعمال کریں گے، کسی نے بھی باوجود اس ملاوٹ کے دور کے نہ آٹا کھانا چھوڑا، نہ چینی کھانی چھوڑی، نہ گھی کھانا چھوڑا، بلکہ تلاش کرتا ہے کہ گھی کونسی دکان پر اچھا ملتا ہے اور کونسی بستی میں اچھا ملتا ہے، آدمی بھیج کر وہاں سے منگواؤ، مٹھائی کونسی دکان والا اچھی بناتا ہے، آٹا کس جگہ سے اچھا ملتا ہے، وہاں سے جاکر تلاش کر کے لائے گا، اسی کو حاصل کرے گا، اسی کو استعمال کرے گا۔ تو فرمایا کہ بے شک آٹا گھی چینی کچھ خالص نہیں ملتی، لیکن تلاش کرنے والے کو آج بھی مل جاتی ہے۔ اسی طرح مولوی بھی خالص نہیں ملتا، لیکن تلاش کرنے والے کو آج بھی مل جاتا ہے، اگر کوئی اللہ کا بندہ تلاش کرنا چاہے، طلب کرنا چاہے تو اس کو آج کے دور میں بھی صادقین مل جائیں گے، یہ کہنا بالکل شیطان کا دھوکہ ہے کہ آج کے دور میں صادقین ختم ہوگئے۔ ارے جب اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم صادقین

کے ساتھی بن جاؤ، یہ حکم کیا صرف صحابہ کرامؓ کے دور کے ساتھ مخصوص تھا کہ وہ صحابہ کرامؓ اس پر عمل کر سکیں، بیسویں صدی میں آنے والے اس پر عمل نہیں کر سکتے؟ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے ہر حکم پر قیامت تک جب تک مسلمان باقی ہیں عمل کرنا ممکن رہے گا، تو اس کے معنی خود بخود نکال لو کہ صادقین اس وقت بھی ہیں، ہاں تلاش کرنے کی بات ہے، یہ نہیں کہ صاحب ملتا ہی نہیں، لہٰذا بیٹھے ہیں، تلاش کرو گے اور طلب پیدا کرو گے تو مل جائے گا۔

جیسی روح ویسے فرشتے

حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں! آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود خواہ کسی حالت میں ہوں، گناہ میں، معصیت میں، کبائر میں، فسق و فجور میں مبتلا ہوں، لیکن اپنے لئے صادقین تلاش کریں گے تو معیار سامنے رکھیں گے جنید بغدادیؒ کا، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا اور بایزید بسطامیؒ کا اور بڑے بڑے اولیا کرام کا جن کے نام سن رکھے ہیں کہ صاحب! ہمیں تو ایسا صادق چاہئے جیسا کہ جنید بغدادیؒ تھے یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تھے۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے تم ہو ویسے ہی تمہارے مصلح ہوں گے، تم جس معیار کے ہو تمہارے لئے یہی لوگ کافی ہو سکتے ہیں، جنید و شبلی کے معیار کے نہ سہی لیکن تمہارے لئے یہ بھی کافی ہیں۔

مسجد کے مؤذن کی صحبت اختیار کرلو

بلکہ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ میں تو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طلب لے کر اپنی مسجد کے ان پڑھ مؤذن کی صحبت میں جا کر بیٹھے گا تو اس کی صحبت سے بھی فائدہ پہنچے گا۔ اس واسطے کہ وہ مؤذن کم از کم پانچ وقت اللہ کا نام بلند کرتا ہے، اس کی آواز فضاؤں میں پھیلتی ہے، وہ اللہ کے کلمے کو بلند کرتا ہے، اس کی صحبت میں جا کر بیٹھو، تمہیں اس سے بھی فائدہ پہنچے گا۔ یہی شیطان کا دھوکا ہے کہ صاحب! ہمیں تو اس معیار کا بزرگ اور اس معیار کا مصلح چاہئے، یہ انسان کو دھوکا دینے کی بات ہے، حقیقت میں تمہاری اپنی اصلاح کے واسطے تمہارے معیار کے اور تمہاری سطح کے مصلح آج بھی موجود ہیں۔

بھائی بات لمبی ہوگئی، میں عرض یہ کرنا چاہ رہا تھا کہ دین حاصل کرنے کا اور اس کی سمجھ حاصل کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کا کوئی راستہ آج کل کے حالات میں اس کے سوا نہیں ہے کہ کسی اللہ والے کو اپنا دامن پکڑا دے، اللہ تبارک و تعالیٰ کسی اللہ والے کی صحبت عطا فرما دے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ دین عطا فرما دیتے ہیں۔

میں آپ حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں (بہت سی جگہیں ایسی ہیں کہ وہاں کبھی جا کر یہ بات کہنے کی نوبت آتی ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ صاحب! ہم کہاں جائیں تو بتانے کے لئے ذرا دشواری ہوتی ہے) لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کا اتنا بڑا کرم

ہے اتنا بڑا کرم ہے کہ آپ اس کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتے کہ اس بستی میں جو دور افتادہ بستی ہے، کسی کے منہ پر کوئی بات کہنا اچھا نہیں ہوتا، مگر ہمارا دین وہ ہے جو بے تکلّف ہے تو اس بے تکلّفی کی وجہ سے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے اندر آپ اور ہم سب پر یہ بڑا فضل فرمایا ہے کہ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی دامت برکاتہم العالیہ کو اس بستی کے اندر بھیج دیا، اور انہیں کا یہ نورِ ظہور ہے جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، یہ مدرسہ، یہ بڑا اجتماع، یہ مسلمانوں کے اندر دینی جذبات، یہ ذوق وشوق اور یہ جوش وخروش، یہ سب کچھ ایک اللہ والے کے دل کی دھڑکنوں سے نکلنے والی آہوں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ نعمت میسّر ہے اور ہماری قوم کا حال یہ ہے کہ جب تک نعمت میسّر رہتی ہے اس کی قدر نہیں پہچانتے، جب چلی جاتی ہے تو قوم اس کو سر پر بٹھانے کے لئے تیار، اس کا عرس منانے کے لئے تیار، اس کے مزار پر چادریں چڑھانے کے لئے تیار، اس کو آسمان پر اٹھانے کے لئے تیار، لیکن جب تک وہ نعمت موجود ہے قدر نہیں پہچانیں گے، قدر نہیں مانیں گے، ہمیشہ اس میں عیب ہی نظر آتے رہیں گے، تنقیدیں ہی کرتے رہیں گے، لہٰذا جہاں کوئی اللہ والا بیٹھ گیا ہو، اس کو بہت ہی غنیمت سمجھ کر اس سے استفادہ کی کوشش کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو وہ مقام بخشا ہے کہ لوگ سفر کر کے آئیں اور آکر استفادہ کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بستی کے اندر آپ کو یہ نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہوئی ہے۔ میں دور سے آنے والا، اوّل تو کچھ آتا جاتا نہیں،

کوئی اہلیت نہیں، کوئی صلاحیت نہیں، میں آپ سے کیا عرض کروں، لیکن اگر اتنی بات آپ حضرات کے ذہن میں بیٹھ جائے اور اس نعمت کی قدر پہچاننے کی کوشش کرلیں اور اس سے استفادہ کی کوشش کرلیں تو میں سمجھتا ہوں کہ بہت بڑے بڑے جلسوں اور تقریروں کا خلاصہ اور اس کا فائدہ حاصل ہوگیا، یوں تو جلسے اور تقریریں اور کہنا سننا تو بہت ہوتا رہتا ہے اور عام طور پر لوگ کہتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں، لیکن کم از کم اگر دل میں یہ داعیہ اور یہ شوق پیدا ہو جائے کہ کسی اللہ والے کی صحبت سے استفادہ کرنا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس مجلس کا فائدہ حاصل ہوگیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین کی صحیح فہم عطا فرمائے، صادقین کی صحبت عطا فرمائے، ان کی محبّت اور ان کی خدمت کے ذریعہ دین کا صحیح مزاج ہمارے دلوں کے اندر پیدا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مسلمانوں پر حملہ
کی صورت میں ہمارا فریضہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ط

مسلمانوں پر حملہ کی صورت میں ہمارا فریضہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشۡھَدُاَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔ أَمَّا بَعۡدُ!

امریکہ کا افغانستان پر حملہ

بزرگانِ محترم اور برادران عزیز! جیسا کہ آپ حضرات موجودہ صورت

حال سے واقف ہیں اور اس وقت کسی دوسرے موضوع پر بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اس وقت دنیائے کفر کی طرف سے خاص طور پر امریکہ کی طرف سے تکبر کا اعلیٰ ترین مظاہرہ ہو رہا ہے، اس نے شاید اپنے بارے میں یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کے پاس خدائی آ گئی ہے اور وہ ایسے متکبرانہ بیانات اور ایسی متکبرانہ کارروائیاں اس دھڑلّے کے ساتھ کر رہا ہے کہ گویا پوری دنیا کی خدائی اس کے قبضے میں آ گئی ہے۔

ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ

لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے بھی عجیب وغریب ہیں کہ جو ملک اس قدر تکبر کے اندر ڈوبا ہوا ہے اور لوگ اس کے آگے اس قدر ڈرے سہمے ہوئے ہیں کہ پوری دنیا میں کوئی بھی حق بات کہنے کی جرأت نہیں کر رہا ہے اور دنیا کا طاقت ورترین ملک ہے، وہ دنیا کے کمزور ترین ملک پر حملہ آور ہے۔ وہ ایک ایسے ملک پر حملہ آور ہے کہ اس سے زیادہ کمزور اور اس سے زیادہ بے سروسامان ملک کوئی اور نہیں، اور جس کو دنیا ملک اور حکومت تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں، گویا کہ دونوں کے درمیان ہاتھی اور چیونٹی کا بھی مقابلہ نہیں جو اس وقت ان دونوں کے درمیان ہو رہا ہے۔

اللہ کی قدرت کا کرشمہ

لیکن اللہ جل شانہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ آج ایک ہفتہ سے اس عظیم ترین طاقت کی طرف سے بموں اور میزائلوں کی بارش ہو رہی ہے جس کو

سپر پاور کہا جاتا ہے اور جو خدائی کا دعویٰ کر رہی ہے، یہ بارش اس ملک پر ہو رہی ہے جو دنیا کا کمزور ترین ملک ہے، ہر رات اور ہر صبح بموں اور میزائلوں کے ذریعہ قیامت توڑی جا رہی ہے اور ساری طاقت کا زور اس پر صرف کیا جا رہا ہے۔ اس کے تکبر کا تو یہ عالم تھا کہ اس کے خیال میں ایک دو دن کے اندر معاملہ نمٹا دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کرشمے دکھا رہا ہے کہ ایک ہفتہ کی مسلسل بمباری کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی ایسا بڑا نقصان جو ان کے حق میں مہلک ہو، وہ ابھی نہیں تک پہنچا سکے اور بار بار کے اس اعلان کے بعد کہ اب ہم زمین سے حملہ کریں گے لیکن ابھی تک زمین سے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم دیکھئے

میرے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے پاس دو روز پہلے کابل سے ایک صاحب کا فون آیا، بھائی صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کابل میں مقیم ہیں اور روزانہ کابل پر بمباری ہو رہی ہے، روزانہ میزائلوں کی بارش ہو رہی ہے تو وہاں کیا حال ہے؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ ہاں کچھ پٹاخے ضرور چھوٹے ہیں اور اس سے بعض لوگ زخمی اور بعض شہید بھی ہوئے ہیں لیکن الحمدللہ! ہماری طاقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے برقرار ہے۔

خدائی اللہ تعالیٰ کی ہے

ان واقعات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا کو دکھا رہے ہیں کہ وہ ملک جس کی گردن تکبر اور غرور کی وجہ سے تنی ہوئی ہے، سینہ اکڑا ہوا ہے، اس نے اپنی ساری توانائیاں صرف کرنے کے باوجود اور ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود ابھی تک اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکا، اللہ تعالیٰ دکھا رہے ہیں کہ خدائی تیری نہیں ہے، خدائی اللہ تعالیٰ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد دین کی مدد پر آئیگی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ قانون بیان فرمادیا:

اِنْ تَنْصُرُ اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔ (سورۃ محمد: آیت ۷)

اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ لہٰذا اگر کہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت میں کمی آجائے یا نصرت نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد نہیں کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں آرہی ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے کے لئے مسلمان کمر بستہ ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور مدد آتی ہے۔

جہاد ایک عظیم رکن ہے

لہٰذا آج دین کے اس عظیم رکن کے بارے میں بیان کرنا ہے جس کو ہم نے ایک عرصہ دراز سے فراموش کر دیا ہے، وہ ہے "جہاد" کا رکن، جس طرح

اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہم پر فرض فرمائے ہیں، اسی طرح ایک عظیم فریضہ ''جہاد'' کا فریضہ ہے، یہ وہ فریضہ ہے کہ ہماری تقریروں میں، ہمارے وعظوں میں، ہماری مجلسوں میں عرصہ دراز سے اس کا بیان چھوٹا ہوا ہے۔

کفار سب مل کر مسلمانوں کو کھانے کیلئے آئیں گے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہارے دشمن تمہیں تباہ کرنے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گے جس طرح دسترخوان پر کھانے کے لئے دعوت دی جاتی ہے، وہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ان پر حملہ کریں، آؤ ان کو لوٹیں، آؤ ان کو کھائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات صحابہ کرامؓ کی سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ انہوں نے تو کھلی آنکھوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھے تھے اور انہوں نے تو یہ دیکھا تھا کہ صرف ۳۱۳ نہتے مسلمان ایک ہزار مسلح سورماؤں پر غالب آگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح و نصرت سے نوازا، اس لئے انہیں تعجب ہونے لگا کہ دشمن کیسے مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔

مسلمان تنکوں کی طرح ہونگے

اس لئے صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی لیکن وہ مسلمان سیلاب

میں بہنے والے تنکوں کی طرح ہونگے جو گنتی میں تو بے شمار ہوتے ہیں لیکن ان کی اپنی طاقت نہیں ہوتی بلکہ وہ سیلاب کی رو میں بہتے چلے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کی ناکامی کے دو اسباب

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مسلمانوں کی ایسی حالت کیوں ہوگی؟ تو جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حالت اس وجہ سے ہوگی کہ دنیا کی محبت تم پر غالب آجائے گی اور تم موت سے ڈرنے لگو گے اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کردو گے۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وجوہات بیان فرمائیں، ایک یہ کہ دنیا کی محبت غالب آجائے گی، اپنے مال کی، اپنے گھر اولاد کی اور اپنے گھر بار کی محبتیں غالب آجائیں گی اور پھر ان محبتوں کی وجہ سے تم موت سے ڈرنے لگو گے کہ کہیں موت نہ آجائے اور اسی موت کے ڈر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کو ترک کردو گے، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا یہ حشر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمائے۔ آمین۔

ترکِ جہاد کے گناہ میں مبتلا ہیں

ایک عرصہ دراز سے ہم لوگوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑا ہوا ہے اور اس ترکِ جہاد فی سبیل اللہ کے گناہ میں مبتلا ہیں، اس کے نتیجے میں یہ صورت حال پیدا ہوئی جو ہمارے سامنے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کچھ اللہ کے بندے جہاد کا کام لے کر اٹھے اور انہوں نے یہ کام شروع کیا، اب اس

وقت اس کا موقع ہے کہ دین کے اس رکن اعظم یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے اندر حصہ دار بننے کی ہر مسلمان سعادت حاصل کرے، اس میں حصہ دار بننے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کو ذرا تفصیل سے سمجھ لینا چاہئے۔

جہاد کی فرضیت کی تفصیل

شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان ملک پر کوئی غیر مسلم طاقت حملہ کر دے تو اس ملک کے تمام باشندوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر وہاں کا امیر جہاد کے لئے بلائے تو سب پر جہاد کے لئے نکلنا فرض ہوگا، اور اگر اس ملک کے لوگ دشمن کے حملے کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو برابر والے ملک کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، اگر وہ بھی مقابلے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو پھر ان کے برابر والے ملک کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، اسی طرح پورے عالم اسلام کی طرف یہ فریضہ منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔

لہٰذ شریعت کے مندرجہ بالا حکم کی روشنی میں اگر دیکھا جائے کہ جب افغانستان پر امریکہ نے حملہ کر دیا ہے تو افغانستان کے مسلمانوں پر تو جہاد فرض ہو چکا ہے، لیکن اگر وہ مقابلے کے لئے کافی نہ ہوں تو افغانستان سے متصل ہمارے ملک پاکستان والوں پر جہاد فرض ہو جائیگا۔

جہاد کی مختلف صورتیں

''جہاد فی سبیل اللہ'' کے معنی ہیں ''اللہ کے راستے میں کوشش کرنا''۔ البتہ اس کوشش کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ براہ راست لڑائی

میں شمولیت اختیار کی جائے، اس طریقے کو "قتال فی سبیل اللہ" کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ "قتال فی سبیل اللہ" کرنے والوں کو مدد پہنچائی جائے، یہ مدد پہنچانا بھی "جہاد فی سبیل اللہ" میں داخل ہے۔

آج کی جنگ میں اگر پاکستان کے سارے لوگ افغانستان کی سرحد پر پہنچ جائیں اور اپنے آپ کو لڑائی کے لئے پیش کر دیں تو اس سے ان کو فائدہ پہنچنے کے بجائے الٹے مسائل پیدا ہو جائیں گے، لہٰذا پاکستان کے رہنے والوں پر جہاد اس معنی میں فرض ہے کہ افغانی بھائیوں کی اعانت اور مدد کرنے کا جو طریقہ جس شخص کے اختیار میں ہے، اس کے ذمے ضروری اور واجب ہے کہ وہ اس طریقے کو اختیار کرے اور اس کے ذریعہ مدد پہنچائے، لہٰذا ہر شخص جائزہ لے کہ میں اپنے افغان بھائیوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں، پھر جو حضرات ٹریننگ یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں، وہ افغانی بھائیوں سے رابطہ کریں، اگر ان کو ضرورت ہو تو وہ جا کر باقاعدہ لڑائی میں شریک ہوں۔

مالی مدد کے ذریعہ جہاد

اور جو حضرات ٹریننگ یافتہ نہیں ہیں، وہ دوسرے ذرائع سے مدد کریں، اس وقت افغان بھائیوں کو پیسوں کی بھی ضرورت ہے، ان کو اشیاء اور ساز و سامان کی بھی ضرورت ہے، ان کو اسلحہ کی بھی ضرورت ہے، ان کو دواؤں کی بھی ضرورت ہے، ان کو طبی امداد کی بھی ضرورت ہے، لہٰذا جو شخص پیسوں کے ذریعہ ان کی مدد کر سکتا ہے، وہ پیسوں کے ذریعہ ان کی مدد کرے۔

فنی مدد کے ذریعہ جہاد

اگر کوئی ڈاکٹر ہے اور وہاں پر علاج کے لئے ڈاکٹروں کی ضرورت ہے تو وہ اپنی خدمات پیش کرے، اگر کسی نے ابتدائی طبی امداد کی تربیت لے رکھی ہے تو وہ اپنی خدمات پیش کرے اور یہ سب خدمات منظم طریقے پر پیش کریں۔

اگر کوئی شخص تربیت یافتہ ہے اور وہ براہ راست لڑائی میں شرکت کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ اپنے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کی وجہ سے نہیں جاسکتا ہے تو دوسرا شخص اس کے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کا ذمہ لے کر اس کو جہاد کے لئے روانہ کرے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جہاد پر جانے والوں کے لئے سامان تیار کرے وہ بھی مجاہد ہے اور جو شخص جہاد پر جانے والے کے گھر کی دیکھ بھال کرے اور ان کی کفالت کرے تو وہ بھی مجاہد ہے۔

قلم کے ذریعہ جہاد

اگر کوئی شخص ان کی مدد کے لئے قلم سے کام لے سکتا ہے تو وہ اپنے قلم کو حرکت میں لائے، اگر کوئی اپنی زبان سے کام لے سکتا ہے تو وہ زبان کو حرکت میں لائے۔

حرام کاموں سے بچیں

مسلمان حکومتیں جو غلط راستے پر چل رہی ہیں اور افسوس ہے کہ ہماری حکومت نے بھی غلط فیصلہ کرلیا ہے، تو اب حکومتوں سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ

افغان بھائیوں کی حمایت کریں، یہ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس احتجاج میں شرعی احکام کی رعایت رکھی جائے، اس میں کوئی کام شریعت کے خلاف نہ ہو، توڑ پھوڑ کرنا، آگ لگانا، املاک کو نقصان پہنچانا، یہ سب شرعاً حرام ہیں، حرام کام کر کے آدمی جہاد نہیں کر سکتا، لہٰذا خود بھی ایسے کاموں سے پرہیز کریں اور اپنے ملنے جلنے والوں کو بھی متوجہ کریں اور اگر کوئی کرنا چاہے تو اس کو اس عمل سے روکیں، یہ حرام کام ہیں، حرام کام کرنے پر اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں آتی۔ دوسری طرف ایسے کاموں سے تحریک کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے، ان کاموں سے بچتے ہوئے اپنے جذبات کے اظہار کے جو طریقے ہیں، ان کے اندر حصہ لیں، یہ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔

لہٰذا ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ میں اپنے بھائیوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں اور کس طرح کر سکتا ہوں، اس طرح مدد کی جائے۔

دشمن کے بجائے اللہ سے ڈرو

بہرحال! ایسے موقع پر جیسے ہم اس وقت دوچار ہیں اور ساری امت مسلمہ پریشانی کے اندر مبتلا ہے، اس موقع پر ایک تو قرآن کریم کی یہ آیت یاد رکھنی چاہئے:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

(سورۃ آل عمران: آیت ۱۷۵)

بیشک یہ شیطان ہے جو (تمہیں مرعوب کرنے کے لئے) اپنے دوستوں (یعنی ہم مذہب کفار) سے ڈرانا چاہتا ہے لیکن اگر تم مؤمن ہو تو ان سے ڈرنے کے بجائے مجھ سے ڈرو۔

کاش! آج کی مسلم حکومتیں قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کر لیتیں، آج انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدائی امریکہ کے ہاتھ میں آ گئی ہے، اس کے نتیجے میں ہر شخص حق بات کہنے اور حق پر ڈٹ جانے سے ڈر رہا ہے، اگر آج مسلمان اس حکم پر عمل کر لیتے تو امت مسلمہ کا مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔

دنیا کے وسائل مسلمانوں کے پاس ہیں

اللہ تعالیٰ نے پوری امت مسلمہ کو مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک ایسی زنجیر میں پرو دیا ہے کہ اسلامی ملکوں کا ایک تار بنا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بہترین وسائل ان کو مہیا فرمائے ہیں، ان کے پاس وہ سرمایا ہے جس پر دنیا رشک کرتی ہے، ان کے پاس تیل ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بہتا ہوا سونا ہے، یہاں تک کہ یہ مقولہ مشہور ہو گیا ہے کہ جہاں مسلمان ہوتے ہیں وہیں پر تیل ہوتا ہے، اس کے علاوہ بہترین انسانی وسائل اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائے ہیں۔ آج مسلمان ساری دنیا کے بیچوں بیچ آباد ہیں، ان کے پاس جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے وہ مقامات ہیں کہ اگر یہ ان کا صحیح استعمال کریں تو ساری دنیا کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں، ان کے پاس ''آبنائے باسفورس'' ہے، ان کے پاس ''نہر سوئز'' ہے۔

مسلمانوں کے روپے سے ''امریکہ'' امریکہ ہے

اور انہی مسلمانوں کا روپیہ ہے جس نے ''امریکہ'' کو ''امریکہ'' بنایا ہوا ہے، مسلمانوں کے روپے امریکہ کے بینکوں میں رکھے ہوئے ہیں، آج اگر مسلمان وہ روپیہ وہاں سے نکال لیں تو ان کی معیشت بیٹھ جائے۔

اللہ تعالیٰ پر نظر نہ ہونے کا نتیجہ

یہ ساری طاقتیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی ہیں، لیکن یہ ساری طاقتیں اس وجہ سے بے اثر ہوگئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ نہیں، اس کی وجہ سے ہم پر ایسی حکومتیں مسلّط ہیں جو امریکہ کے کارندے ہیں، اس کے اہل کار ہیں، اس کے پٹھو ہیں جو ساری مسلم دنیا پر مسلّط ہیں، اس کے نتیجے میں یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ سے خوف ہوتا اور دشمن کو خدا سمجھنے کا تصور دل میں نہ ہوتا تو آج یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔

عام مسلمان تین کام کریں

لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اگر عام مسلمان ایک تو یہ وتیرہ اپنا لیں کہ اللہ سے ڈریں اور دشمن سے نہ ڈریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور سیدھے راستے پر چلیں تو انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آئے گی اور ضرور آئے گی۔

دوسرے یہ کہ ہر شخص یہ جائزہ لے کہ میں اپنے افغان بھائیوں کی کیا مدد کرسکتا ہوں اور کس شکل میں کرسکتا ہوں، اس شکل میں مدد کرے اور تیسرا کام یہ کہ

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلَ

کا کثرت سے ورد کرے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا اظہار کرے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اب اس متکبر کے دن گنے جاچکے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اس کا غرور ٹوٹ کر رہے گا اور اس کا غرور خاک میں ملے گا، اللہ تعالیٰ اس کا سر نیچا کر کے دکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں

اور یہ مدد تو ہر وقت ہر مسلمان کر ہی سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر اور مچل مچل کر دعائیں مانگے کہ یا اللہ! اس متکبر کے غرور کا انجام ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سپر پاور کا انجام ان گناہ گار آنکھوں کو دکھا دیا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیا، اب اس متکبر (امریکہ) نے اس زمین پر خدائی کا دعویٰ کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا انجام بھی مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے دکھائے۔ چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔

دعا اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جاؤ
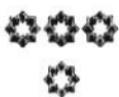
ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ
فَاِذَا لَقِيْتُمْ فَاثْبُتُوْا۔

یعنی اپنی طرف سے دشمن سے مقابلے کی تمنا مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدمی سے مقابلہ کرو۔ اور قرآن کریم نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے رہو۔ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ جل شانہٗ سے ہر وقت اپنا رابطہ بھی استوار رکھتا ہے، اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں ہوتی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو، چلتے پھرتے یہ دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ امّت مسلمہ کی مدد فرمائے اور اس کے دشمنوں کو تباہ و برباد فرمائے اور ان کے غرور کو خاک میں ملائے، آمین۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں وہ کام کرنے کی توفیق دے جو ہمارے ذمے فرض ہے۔ آمین۔

مالی تعاون کے لئے ہمارے شہر کراچی میں اس وقت کئی ادارے کام کر رہے ہیں، ان کے ذریعہ مالی تعاون کر سکتے ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

درس ختم صحیح بخاری

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس ختم صحیح بخاری ۱۴۲۰ھ

جامعہ دارالعلوم کراچی

(عبارت از طالب علم محمد اظہر سلمہ)

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على نبيه الكريم، وعلى آله وأصحابه والأئمة المحدّثين. أما بعد:

باب قول الله تعالى: ﴿ونَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَومِ الْقِيمَةِ﴾ وأن أعمال بنى آدم وقولهم يوزن، وقال مجاهد: القسطاس العدل بالرومية، ويقال: القسط مصدر المقسط وهو العادل، وأما القاسط فهو الجائر.

سند حدیث

فضيلة الشيخ القاضى المفتى محمد تقى العثمانى حفظكم الله وأكرمكم فى الدارين، حدّثكم والدكم فضيلة الشيخ فقيه الملة المفتى محمد شفيع رحمه الله تعالى عن فضيلة الشيخ الإمام أنور شاه الكشميرى عن الشيخ شيخ الهند محمود الحسن رحمه الله تعالى.

ح. وحدّثكم فضيلة الشيخ المفتى رشيد أحمد حفظه الله تعالى، عن الشيخ حسين أحمد المدنى، عن شيخ الهند الشيخ محمود

الحسن العثمانى، عن الشيخين الجليلين الشيخ العلامة محمد قاسم النانوتوى والعلامة رشيد أحمد الكنكوهى، وهما يرويانه عن العارف بالله الشيخ عبد الغنى المجددى، عن مولانا الإمام الحجة الشيخ محمد إسحاق الدهلوى، عن الشاه عبد العزيز الدهلوى، عن العارف بالله الشيخ ولى الله أحمد بن عبد الرحيم النقشبندى، قال: أخبرنا الشيخ أبوطاهر محمد بن إبراهيم الكردى، قال: أخبرنا والدى الشيخ إبراهيم الكُردى.

قال: قرأت على الشيخ أحمد القشاشى، قال: أخبرنا الشيخ أحمد بن عبد القدوس النشاوى، قال: اخبرنا الشيخ محمد بن احمد الرملى، عن الشيخ زكريا بن محمد أبى يحيٰى الأنصارى، قال: قرأت على الشيخ الحافظ الحجة أحمد بن على بن حجر العسقلانى، عن الشيخ إبراهيم بن أحمد التنوخى، عن الشيخ أحمد بن أبى طالب، عن الشيخ السراج الحسين بن المبارك، عن الشيخ عبد الأول بن عيسى الهروى، عن الشيخ عبد الرحمن بن مظفر الداؤدى، عن الشيخ عبد الله بن أحمد السرخسى، عن الشيخ أبى عبد الله محمد بن يوسف الفربرى، عن الإمام الجليل الحافظ الحجة أمير المؤمنين فى الحديث أبى عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة بن بردزبة الجعفى البخارى رحمهم الله تعالى ومتّعنا بفيوضهم، آمين.

قال : حدّثنا أحمد بن اشكاب، قال: حدثنا محمد بن فضيل، عن عمارة بن القعقاع، عن أبى زرعة، عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم أجمعين قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم:

كلمتان حبيبتان إلى الرحمٰن خفيفتان على اللسان ثقيلتان فى الميزان سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.

خطاب از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

تمہید

حضرات علماء کرام، میرے عزیز طالب علم ساتھیو اور معزز حاضرین: اللہ جل جلالہ کا عظیم انعام اور کرم ہے کہ آج دارالعلوم کے تعلیمی سال کا آخری درس ہو رہا ہے، اور ہمارے دینی مدارس کی روایت کے مطابق یہ آخری درس صحیح بخاری شریف کے آخری باب اور آخری حدیث کا درس ہوتا ہے۔ آج جبکہ اس مبارک مجلس کا انعقاد ہو رہا ہے، اس میں ایک طرف تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے شکر ادا کرنے کے لئے الفاظ ملنے مشکل ہیں جس نے اپنے فضل و کرم سے اس تعلیمی سال کو تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ کی جدائی

دوسری طرف اس احساس سے دل و دماغ متاثر ہے کہ صحیح بخاری شریف کا

یہ آخری درس ۱۳۹۶ھ (مطابق ۱۹۷۶ء) تک میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ دیا کرتے تھے، پھر حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد ۱۳۹۶ھ سے ہمارے مخدوم بزرگ اور استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس اللہ سرہ اس ذمہ داری کو بطریق احسن نبھاتے رہے، گذشتہ سال ۱۴۱۹ھ (مطابق ۱۹۹۸ء) تک ہم اور آپ ان کے درس سے فیض یاب ہوتے رہے، آج وہ بھی ہم میں موجود نہیں ہیں، اور ان کی غیر موجودگی کا احساس اس موقع پر بہت شدت کے ساتھ دل ودماغ پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے فیوض کو جاری اور ساری فرمائے اور ہمیں ان کی تعلیمات اور ان کے نقش قدم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دنیا کا عظیم صدمہ

اس روئے زمین پر کوئی صدمہ اور کوئی غم اس غم اور صدمہ سے زیادہ سنگین پیش نہیں آیا جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نبی کریم سرکار دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت پیش آیا، اگر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی قربانی اور بڑی سے بڑی کوشش کسی انسان کے لکھے ہوئے وقت کو ٹلا سکتی، تو سرکار دو عالم ﷺ کے صرف ایک سانس کے بدلے صحابہ کرام ہزاروں لاکھوں زندگیاں نچھاور کرنے کیلئے تیار تھے۔ لیکن یہ اللہ جل شانہ کا بنایا ہوا کارخانۂ حکمت ہے جس میں کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہونا ہی ایک مؤمن کا کام ہے۔ صدمہ اور غم ایک طبعی اور فطری بات ہے، بلکہ جانے والے کا حق بھی ہے، لیکن اس صدمہ اور غم میں اللہ

جل شانہ کی تقدیر اور اسکے فیصلے پر کوئی اعتراض کسی مؤمن کیلئے ممکن نہیں۔ اسکے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم ہے، اور "إنا لله وإنا إليه راجعون" کے یہی معنی ہیں۔ آج اس اجتماع میں علماء، اولیاء، صلحاء جمع ہیں، میں ان سے گزارش کرونگا کہ وہ آج کے اس اجتماع میں خاص طور پر حضرت مولانا قدس اللہ سرہ کی مغفرت کیلئے اور ان کے درجات کی بلندی کیلئے اور پسماندگان کے صبر جمیل کے لئے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کیلئے خاص طور پر دعا فرمائیں۔

کتب حدیث کے درس کا طریقہ

ہمارے دینی مدارس میں حدیث شریف کی کتابیں اس طرح پڑھائی جاتی ہیں کہ طالب علم حدیث کی عبارت پڑھتا ہے، استاذ اس کو سن کر اس کی تصدیق اور توثیق کرتا ہے۔ اور پھر اس حدیث کے معانی اور مطالب اور اس کے مفاہیم اور اس سے متعلق مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ یہ طریقہ کار جو ہمارے مدارس دینیہ میں جاری ہے - اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ قائم اور دائم رکھے، آمین۔ آج برّ صغیر میں پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے دینی مدارس کے علاوہ روئے زمین پر کہیں بھی یہ طریقہ کار اب باقی نہیں رہا۔ حدیث کی چار کتابیں یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد، یہ چاروں کتابیں اوّل سے لیکر آخر تک طالب علم استاذ کے سامنے بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ اس طرح سے مکمل حدیث کی کتابیں پڑھنے کا طریقہ اب دنیا میں شاید کہیں اور باقی نہیں رہا، بلکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں احادیث کی منتخبات مقرر ہیں، بس وہ چند منتخب احادیث پڑھادی جاتی ہیں، ان کے یہاں نہ تو سند محفوظ رکھنے کا اہتمام ہے نہ روایت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام ہے۔

حدیث سے پہلے "سند حدیث" پڑھنا

لیکن ہمارے بزرگوں نے دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ جو طریقہ کار تجویز فرمایا ہے، آج بھی الحمد للہ ہمیں اس پر قائم رہنے کی توفیق ہو رہی ہے۔ چنانچہ یہ صحیح بخاری کا آخری باب اور اسکی آخری حدیث ہے جو عزیز طالب علم (مولوی محمد اظہر بن مولانا منظور احمد سلمہٗ) نے آپ کے سامنے پڑھی، اس باب اور اس حدیث کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے تعارف کے طور پر یہ بتا دینا مناسب ہے کہ عزیز طالب علم نے جو عبارت پڑھی ہے، اس میں حدیث کی عبارت پڑھنے سے پہلے ناموں کا ایک طویل سلسلہ پڑھا، ناموں کا یہ طویل سلسلہ کتاب میں لکھا ہوا موجود نہیں بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے پڑھا، پھر اس کے بعد وہ حدیث پڑھی جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں روایت فرمائی ہے۔

ہمارے مدارس دینیہ میں عام طور پر جو طریقہ رائج ہے، وہ یہ ہے کہ درس کے شروع میں حدیث کی عبارت پڑھنے سے پہلے طالب علم یہ پڑھتا ہے:

"بالسند المتصل منا إلى الإمام البخاری رحمه الله تعالى، قال حدثنا"

اور بعد میں اختصار کے طور پر "**به قال حدثنا**" کہنے پر اکتفا کرتا ہے۔ لیکن اس وقت چونکہ آخری حدیث پڑھی جارہی تھی تو طالب علم نے مناسب سمجھا کہ صرف اجمالی حوالے کے بجائے ہم سے لیکر جناب رسول اللہ ﷺ تک جتنے واسطے ہیں، ان سب کا ذکر کر کے ان کے واسطے سے حدیث پڑھی جائے۔

"سند حدیث" اُمت محمدیہ کی خصوصیت

بظاہر تو یہ معمولی بات نظر آتی ہے لیکن اسکے پیچھے عظیم فلسفہ اور عظیم

حکمت ہے جو ہمارے اور آپ کیلئے بہت بڑا سبق رکھتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ابھی طالب علم نے جو سند پڑھی، اس سلسلہ سند میں میرے استاذ سے لیکر جناب نبی کریم ﷺ تک جتنے حضرات علماء کرامؒ گزرے ہیں جن کے ذریعہ یہ علم حدیث ہم تک پہنچا، ان سب کا نام لیا، یہاں تک کہ یہ سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ تک پہنچا۔ یہ چیز صرف اس اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو حاصل ہے جو اس روئے زمین پر کسی دوسرے مذہب اور ملت والے کو حاصل نہیں، کوئی بھی مذہب اور ملت والا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مقتدیٰ یا اسکے پیغمبر اور نبی کی باتیں ان تک اس طرح پہنچی ہیں کہ ان کے بارے میں خم ٹھونک کر اعتماد کے ساتھ یہ کہا جاسکے کہ یہ باتیں یقیناً ہمارے نبی نے کہی ہیں۔ یہ اعتماد نہ کسی یہودی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی تورات کے بارے میں کہدے۔ نہ کسی نصرانی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی انجیل کے بارے میں یہ بات کہدے۔ جب آسمانی کتابوں کا دعویٰ کرنے والے اپنی آسمانی کتابوں کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ سکتے تو اپنے پیغمبر کی باتوں اور ان کی سنتوں کے بارے میں یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

تورات اور انجیل قابل اعتماد نہیں

آج اگر یہودی مذہب کے کسی بڑے سے بڑے عالم سے یہ پوچھ لیا جائے کہ یہ تورات جس کو تم خدا کی کتاب اور آسمانی کتاب کہتے ہو، اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟ تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ تورات وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی؟ اگر یہ سوال کیا جائے تو بغلیں جھانکنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ یہی حال انجیلوں کا ہے،

اور آج کل دنیا میں جو انجیلیں موجود ہیں یہ وہ نہیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں، بلکہ آپ کے حالات زندگی لوگوں نے جمع کیے اور ان کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ الہام کے ذریعہ جمع کیے ہیں، لیکن موجودہ لوگوں کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ کتابیں انہی لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں؟ انکے پاس کوئی ثبوت کوئی سند اور کوئی دلیل موجود نہیں۔

"احادیث" قابل اعتماد ہیں

لیکن اس اُمّت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آج جب ہم کسی حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، تو اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی طرف اسکی نسبت درست ہے۔ اور آج اگر کوئی ہم سے یہ پوچھے کہ یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ بات نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی تو ہم اسکے جواب میں وہ پوری سند پیش کردیں گے جو ابھی طالب علم نے آپ کے سامنے پڑھی۔

راویان حدیث کے حالات محفوظ ہیں

اور پھر صرف اتنی بات نہیں کہ ہم سے لیکر جناب رسول اللہ ﷺ تک کے صرف نام محفوظ ہیں بلکہ آپ ان ناموں میں سے کسی نام پر انگلی رکھ کو پوچھ لیں کہ یہ آدمی کون تھا؟ یہ کس زمانہ میں پیدا ہوا تھا؟ کن اساتذہ سے اس نے تعلیم حاصل کی تھی؟ کیسا حافظہ اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا؟ اس کی ذھانت کی کیفیت کیا تھی؟ دیانت، اور امانت کی کیفیت کیا تھی؟ اس کا سارا کچا چٹھا اور ایک ایک راوی کا سارا ریکارڈ کتابوں کے اندر محفوظ ہے۔

یہ صحیح بخاری آپ کے سامنے موجود ہے، اسکے کل ۱۱۲۸ صفحات ہیں، اس کے ہر صفحے پر کم از کم دس بارہ حدیثیں موجود ہیں، اور ہر حدیث کے شروع میں مختلف راویوں کے نام ہوتے ہیں، آپ ان میں سے کسی راوی کا انتخاب کریں اور پھر کسی عالم سے آپ پوچھ لیں کہ اس راوی کے حالات زندگی کیا ہیں؟ کتابوں کے اندر اس راوی کی ولادت سے لیکر وفات تک کے متعلقہ حالات سب مدوّن اور محفوظ ہیں۔ اسکے حالات زندگی کیوں محفوظ کیے گئے؟ اس لئے کہ اس نے جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث روایت کی تھی، لہٰذا اسکے بارے میں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسکی روایتِ حدیث پر اعتماد کیا جائے یا نہ کیا جائے؟

علماء جرح وتعدیل کا کمال

پھر راویوں کے یہ حالات زندگی بھی صرف سُنی سُنائی باتوں کی بنیاد پر نہیں لکھے گئے، بلکہ ایک ایک راوی کے حالات کی جانچ پڑتال کے لئے اللہ جل شانہ نے ایسے عظیم علماء جرح وتعدیل پیدا فرمائے جو ایک ایک راوی کی دُکھتی ہوئی رگوں سے واقف تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا، فرمایا کرتے تھے کہ:

> "حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث کے رجال کی پہچان کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اگر تمام راویانِ حدیث کو ایک میدان میں کھڑا کر دیا جائے اور پھر حافظ شمس الدین ذہبیؒ کو ایک ٹیلے پر کھڑا کر دیا جائے تو وہ ایک ایک راوی کی طرف انگلی اٹھا کر یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ اور حدیث میں اس کا کیا مقام ہے؟

ان ائمہ جرح و تعدیل کو اللہ تعالیٰ نے ایسا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ آج کے دور میں کہنے والے بہت آرام سے یہ تو کہدیتے ہیں کہ ہمیں بھی "اجتہاد" کا حق ملنا چاہئے کیونکہ ہم بھی قرآن و حدیث کے علم میں وہی مقام رکھتے ہیں جو پچھلے لوگوں کو عطا ہوا تھا، اور یہ لوگ "هم رجال ونحن رجال" کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ؎

نہ ہر کہ سر بترا شد قلندری داند

ان حضرات علماء کو اللہ تعالیٰ نے جو حافظہ، جو علم، جو تقویٰ، جو جدوجہد اور قربانی کا جذبہ عطا فرمایا تھا، اسکی کوئی اور توجیہ اسکے علاوہ نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسی خاص مقصد کیلئے ان کو پیدا فرمایا تھا کہ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی حفاظت فرمائیں۔

ایک محدث کا واقعہ

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الكفاية" میں جو اصول حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ ایک محدّث جو جرح و تعدیل کے امام تھے، ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

جب ہم کسی راویٔ حدیث کے حالات کی تحقیق کیلئے اسکے گاؤں اور اسکے محلّے میں جایا کرتے تھے (جانا بھی اس طرح ہوتا تھا کہ جب یہ پتہ چلتا کہ فلاں شخص جو فلاں شہر میں رہتا ہے، وہ حدیث روایت کرتا ہے، اور وہ شہر سینکڑوں میل دور ہوتا تھا، اور ہوائی جہاز کا زمانہ نہیں تھا کہ ہوائی جہاز میں ایک دو گھنٹے کے اندر دوسرے شہر پہنچ گئے، بلکہ اس زمانے میں اونٹوں پر گھوڑوں پر اور پیدل سفر ہوتے تھے، یہ سفر صرف اس بات کی

تحقیق کیلئے کرتے کہ یہ معلوم کریں کہ جس راوی نے یہ حدیث روایت کی ہے وہ کس مقام کا ہے؟) تو اس کے وطن میں جاکر اسکے حالات کی چھان بین کرتے، اب اسکے پڑوسیوں سے، اسکے ملنے جلنے والے دوستوں سے، اور اسکے اعزہ سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ آدمی کیسا ہے؟ یہ شخص معاملات میں کیسا ہے؟ اخلاق میں کیسا ہے؟ نماز روزے میں کیسا ہے؟ یہاں تک کہ جب ہم بہت زیادہ کھود کرید کرتے تھے تو بعض مرتبہ لوگ ہم سے یہ پوچھتے کہ کیا تم اپنی لڑکی کا رشتہ یہاں کرنا چاہتے ہو؟ اس وجہ سے تم ان کے حالات کی اتنی چھان بین کر رہے ہو؟ جواب میں ہم کہتے کہ بھائی کوئی رشتہ تو نہیں کرنا چاہتے، لیکن انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی ایک حدیث روایت کی ہے، لہٰذا ہمیں یہ تحقیق منظور ہے کہ آیا ان کی روایت کردہ حدیث کو معتبر مانیں یا نہ مانیں؟

فن "اسماء الرجال"

اس طرح ایک ایک راوی کے حالات کی تحقیق کر کے یہ حضرات علماء جرح وتعدیل فن "اسماء الرجال" کی کتابیں مدوّن کر گئے ہیں۔ ہمارے جامعہ دار العلوم کراچی کے کتب خانہ میں "اسماء الرجال" کا ایک پورا سیکشن علیحدہ ہے، جس میں ایک ایک کتاب تیس تیس جلدوں میں موجود ہے، جس میں حروف تہجی کی ترتیب سے راویان حدیث کے حالات درج ہیں۔ آپ بخاری شریف بلکہ صحاح ستہ اور حدیث کی کوئی بھی کتاب لیجئے اور اس کتاب کی کوئی بھی حدیث لیجئے اور اس حدیث کی سند میں سے کسی ایک راوی کا انتخاب کر لیجئے، اور پھر "اسماء الرجال" کی کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب سے اس راوی کے حالات دیکھ

لیجئے۔ یہ فن "اسماء الرجال" کی تدوین صرف اس اُمت محمدیہ کا اعزاز ہے۔

"سند" کے بغیر حدیث غیر مقبول

جب تک حدیث کی یہ کتابیں "صحاح ستہ" وغیرہ وجود میں نہیں آئی تھیں، اس وقت تک قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص کوئی حدیث سناتا تو اس پر یہ لازم اور ضروری تھا کہ وہ تنہا حدیث نہ سنائے، بلکہ اس حدیث کی پوری سند بھی بیان کرے کہ یہ حدیث مجھے فلاں نے سنائی، اور فلاں کو فلاں نے سنائی، اور فلاں کو فلاں نے سنائی۔ پہلے پوری سند بیان کرتا پھر حدیث سناتا، تب اسکی بیان کردہ حدیث قابل قبول ہوتی تھی، اور سند کے بغیر کوئی شخص حدیث سناتا تو کوئی اسکی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوتا تھا۔

کتب حدیث کے وجود میں آنے کے بعد سند کی حیثیت

اللہ تعالیٰ ان حضرات محدثین کے درجات بلند فرمائے، انہوں نے تمام حدیثیں ان کتابوں کی شکل میں جمع فرمادیں، لہٰذا اب ان کتابوں کے تواتر کے درجے تک پہنچ جانے کے بعد سند کی اتنی زیادہ تحقیق کی اور اسکو محفوظ کرنے کی ضرورت نہ رہی، کیونکہ اب تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ ہے، لہٰذا اب ہر حدیث کے ساتھ پوری سند کا بیان کرنا ضروری نہیں، بلکہ اب حدیث بیان کرنے کے بعد "رواہ البخاری" کہہ دینا کافی ہو جاتا ہے۔

لیکن اسکے باوجود ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ باقی رکھا کہ اگرچہ ہر حدیث کے بیان کرتے وقت پوری لمبی سند بیان نہ کی جائے، لیکن روایت اور اجازت کے

طور پر اس پوری سند کو محفوظ ضرور رکھا جائے، کیونکہ اگر ہر حدیث سے پہلے یہ طویل سند بیان کی جائیگی تو لوگوں کے لئے دشواری ہو جائیگی، لہٰذا اب اتنا کہدینا کافی ہے کہ اس حدیث کو "امام بخاریؒ" نے روایت کیا ہے، اور ہم سے لیکر امام بخاریؒ تک پوری سند ہمارے پاس محفوظ ہے جو آج عزیز طالب علم نے ہمارے سامنے پڑھی۔ یہ تو اس سند کا ظاہری پہلو تھا۔

راویانِ حدیث، نور کے مینارے

اس سند کا ایک باطنی پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے جن مقدس بندوں کو اپنے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے تحفظ کے لئے منتخب فرمایا، ان کی سعادت کا کیا مقام ہو گا؟

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ نے یہ خاص سعادت صرف ان حضرات کو عطا فرمائی جن کو اس کام کیلئے منتخب فرمایا، وہ جس سے چاہیں جو کام لے لیں۔ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی، ان میں سے ایک ایک فرد ہمارے لئے منارۂ نور ہے، ہمارے سر کا تاج ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں کیا انوار و برکات ودیعت فرمائے ہیں جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ خدمت لی۔ لہٰذا سلسلہ سند میں آنے والے راویوں کے نام محض "نام" نہیں ہیں، بلکہ یہ نور کے مینارے ہیں جن کا سلسلہ جاکر جناب رسول اللہ ﷺ سے جڑ جاتا ہے۔

☆☆☆

راویان حدیث کی بہترین مثال

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین) ایک بڑی پیاری مثال دیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ تم راستوں میں بجلی کے کھمبے دیکھتے ہو جن کے ذریعہ یہ بجلی ہم تک پہنچتی ہے۔ یہ بلب جو جل رہا ہے اس میں روشنی کہاں سے آرہی ہے؟ یہ روشنی ان سینکڑوں کھمبوں کے طویل سلسلے کے ذریعہ اس بلب تک پہنچ رہی ہے، اور ان کھمبوں کا طویل سلسلہ جاکر "پاور ہاؤس" سے جڑا ہوا ہے، اور اس بلب میں "بجلی" دراصل پاور ہاؤس سے آرہی ہے۔ اور اب ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ اس بلب کا سوئچ آن کردیں، سوئچ آن ہوتے ہی اس بلب کا رابطہ ان کھمبوں کے واسطے سے "پاور ہاؤس" سے جڑ گیا۔

اسی طرح ہم سے لیکر جناب رسول اللہ ﷺ تک جو پورا سلسلہ سند ہے، اس میں جو راویان حدیث ہیں، وہ درحقیقت "پاور ہاؤس" سے جوڑنے والے کھمبے ہیں، جس وقت تم یہ کہتے ہو "حدثنا فلاں" گویا کہ اس وقت تم نے سوئچ آن کردیا۔ اور اس کے نتیجے میں اس "سلسلۃ الذھب" (سونے کا زنجیر) کے ذریعہ تمہارا سلسلہ براہ راست علوم نبوت کے "پاور ہاؤس" یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے جڑ گیا۔

لہٰذا جو شخص بھی اس "سلسلۃ الذھب" میں شامل ہوگیا اور اس کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک بندوں پر اپنے فضل کی بارش فرمائیں گے تو یہ بندہ گندہ جو اس "سلسلۃ الذھب" کے ساتھ جڑ گیا ہے۔ اس پر بھی اپنے فضل کی بارش کی چھینٹیں ڈال

دیں گے۔ اس لئے اس سلسلۃ الذھب کے ساتھ جڑ جانا بھی بڑی عظیم نعمت اور عظیم سعادت ہے۔ آج ہم اور آپ کو اس کی عظمت کا احساس نہیں، لیکن جب یہ ظاہری آنکھیں بند ہونگی، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہوگی، اس وقت پتہ چلے گا کہ اس "سلسلۃ الذھب" سے وابستگی کا کیا عظیم فائدہ حاصل ہوا۔

آدمی قیامت میں کس کے ساتھ ہوگا؟

میرے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات ارشاد فرمائی، وہ ایک حدیث سے بھی ثابت ہے، وہ یہ کہ ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس عمل کا تو کوئی زیادہ ذخیرہ نہیں ہے، "لکنّی احب اللہ ورسولہ" لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"المرء مع من أحبّ"

انسان کا انجام ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ لہٰذا اگر تم اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت کرتے ہو تو انشاء اللہ تمہارا انجام بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہمیں کبھی کسی بات پر اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی خوشی ہمیں آپ کا یہ ارشاد سنکر حاصل ہوئی کہ آپ نے فرمایا "المرء مع من أحب"۔

بہرحال، جب اس "سلسلۃ الذھب" کے ساتھ محبت اور عقیدت کا رشتہ جوڑ لیا تو اس حدیث کی رو سے جس میں یہ وعدہ فرمایا کہ "المرء مع من أحب" انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر بھی کرم فرمائیں گے جو اس سلسلے سے وابستہ ہو جائیں گے۔

یہ اس "سند" کا مختصر تعارف تھا جو عزیز طالب علم نے آپ کے سامنے

پڑھی۔

صحیح بخاری کا مقام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات محدثین میں سے ہیں کہ جن کی کتاب کے بارے میں ساری اُمّت نے باجماع یہ کہا ہے کہ یہ کتاب "أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ" یعنی کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب "صحیح بخاری" ہے۔ اور اُمت نے یہ بات ویسے ہی نہیں کہدی بلکہ علماء جرح و تعدیل نے ایک ایک حدیث کی چھان پھٹک کرنے کے بعد اور جرح و تنقید کی بیشمار چھلنیوں میں چھاننے کے بعد یہ نتیجہ نکالا اور پھر پوری اُمّت اس پر متفق ہو گئی۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سات لاکھ احادیث میں سے ان احادیث کا انتخاب فرمایا ہے جو اس صحیح بخاری میں لکھی ہیں۔ اور یہ انتخاب بھی اس طرح کیا کہ پہلے تو حدیث کو جانچنے کے جو فنّی طریقے ہیں، ان میں سے ایک ایک طریقے کو بروئے کار لاکر ایک ایک حدیث کو پرکھا اور اس کی سند کو جانچا، اور ایک ایک حدیث پر جانچنے اور پرکھنے کے تمام فارمولے پورے کرنے کے بعد بھی اس پر اکتفا نہیں کیا۔

حدیث لکھنے سے پہلے کا اہتمام

بلکہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرمایا، دو رکعتیں پڑھیں اور استخارہ فرمایا، استخارہ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا تھا کہ یااللہ! میں نے اپنی محنت اور مشقت اور اپنی معلومات کی حد تک بیشک چھان پھٹک کرلی اور اس کے لحاظ سے یہ حدیث مجھے صحیح معلوم ہو رہی ہے، لیکن اس کتاب میں یہ حدیث لکھوں یا نہ لکھوں؟ اس کے لئے استخارہ کر رہا ہوں۔ پھر استخارہ کرنے کے بعد جب دل

مطمئن ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے انشراح عطا فرمایا، اس کے بعد کتاب میں وہ حدیث لکھی۔

تراجم ابواب کی باریک بینی

ایک طرف احتیاط اور خدا ترسی کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف اس کتاب کی ترتیب ایسی قائم فرمائی اور پھر اس پر عنوانات ایسے قائم فرمائے، جن کو "تراجم ابواب" کہا جاتا ہے، جو ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرتے ہوئے علماء کرام کو ایک ہزار سال ہو گئے ہیں، اس کے باوجود ابھی تک کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس دریا کے تمام موتی اس نے دریافت کر لئے ہیں۔

کتاب التوحید آخر میں لانے کی وجوہات

یہ صحیح بخاری کا آخری باب اور آخری حدیث ہے۔ یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب و غریب طریقہ اختیار فرمایا، وہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو "کتاب التوحید" پر ختم فرمایا ہے، "باب بدء الوحی" اور اس کی حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے کتاب کو شروع فرمایا۔ پھر اس کے بعد "کتاب الایمان" لائے پھر "کتاب العلم" پھر تمام شعبہائے زندگی سے متعلق جتنی احادیث ہیں، ان کے ابواب لائے۔ لیکن آخر میں "کتاب التوحید" لے آئے۔ بظاہر ہونا یہ چاہئے تھا کہ جہاں "کتاب الایمان" لائے تھے اس کے ساتھ "کتاب التوحید" لے آتے، کیونکہ "توحید" تو ایمان کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور ایمان کی سب سے پہلی شرط ہے، لہٰذا اس کا تعلق کتاب الایمان سے تھا۔ لیکن امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شروع میں کتاب الایمان قائم کردی، پھر دوسرے ابواب لاتے رہے، یہاں تک کہ کتاب کے بالکل آخر میں "کتاب التوحید" لے کر آئے۔

اب سوال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیوں کیا؟ اب شراح حدیث نے اپنے اپنے قیاسات سے اس سوال کا جواب دیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیوں کیا؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ دراصل شروع میں جو کتاب الایمان لائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے جو ایجابی تقاضے ہیں یعنی یہ کہ ایمان کن کن چیزوں پر ہونا چاہئے، ان کا ذکر تو وہاں کردیا۔ اور کتاب التوحید میں ایمان کے سلبی تقاضے بیان فرمائے یعنی کونسے عقیدے غلط ہیں اور کون سا عقیدہ باطل ہے؟ ان باطل اور گمراہ عقیدوں اور ایسے عقیدے رکھنے والے گمراہ فرقوں کی تردید فرمائی۔ بعض حضرات نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ امام بخاری کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ "اسلام" توحید ہی توحید ہے۔ ایمان سے اسلام شروع ہوتا ہے۔ اور توحید پر ختم ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس طریقہ کے ذریعہ اس حدیث کا مصداق بننا منظور ہے۔ جس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

"من كان آخر كلامه "لا إله إلا الله" دخل الجنة"

(ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین)

جس شخص کا آخری کلام "لا إلہ الا اللہ" ہوگا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور توحید چونکہ "لا إلہ الا اللہ" سے عبارت ہے، اس لئے کتاب التوحید کو سب سے آخر میں لائے۔ تاکہ آخری کلام توحید اور لا الہ الا اللہ کا ہو کر اس حدیث کا مصداق بن جائے۔ بہر حال، یہ مختلف حضرات محدثین کے مختلف

قیاسات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر کیا بات تھی۔

کتاب التوحید کو اس باب پر ختم کرنے کی وجہ

پھر اس کتاب التوحید کو بھی اس "باب" پر ختم کیا ہے: "باب قول الله تعالیٰ: ﴿ونَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ یہ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر قائم فرمایا، کہ ہم قیامت کے دن انصاف کرنے کے لئے ترازوئیں قائم کریں گے۔ یہ باب قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصد فرقہ معتزلہ کے اس عقیدے کی تردید ہے جو یہ کہتا تھا کہ اعمال کے وزن کی کوئی حقیقت نہیں۔

کتاب التوحید آخر میں لانے کا راز

لیکن اس کتاب التوحید کو وزن اعمال پر ختم کرنے میں ایک اہم راز یہ ہے کہ انسان کی تکلیفی زندگی کا اختتام بھی وزن اعمال پر ہوگا، لیکن انسان کی تکلیفی زندگی کی ابتداء نیت سے شروع ہوتی ہے، اسلئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو "انما الاعمال بالنیات" سے شروع فرمایا، اس کے بعد انسان اپنی زندگی میں مختلف اعمال کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو موت آجاتی ہے۔ اور موت کے بعد برزخ کا عالم شروع ہو جاتا ہے اور برزخ کے عالم کے بعد پھر حساب وکتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوگی اور وہاں پر اعمال کا وزن ہوگا، وزن اعمال کے بعد پھر جنت اور دوزخ کی شکل میں جزا اور سزا ہوگی۔ لہٰذا جزا اور سزا سے پہلے اللہ تعالیٰ وزن اعمال فرمائیں گے اور اس کے نتیجے میں جزا اور سزا ملے گی لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ تکلیفی زندگی کا اختتام وزن اعمال پر جاکر

ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا اختتام بھی وزن اعمال پر فرمایا۔ اور آخری باب اس آیت ﴿ونضع الموازین القسط لیوم القِیٰمَة﴾ پر قائم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کو ترازو قائم کرنے کی کیا ضرورت

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وزن اعمال کے لئے ترازوئیں قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ اللہ جل جلالہ عالم الغیب ہیں، "علیم بذات الصُّدور" ہیں، ہر شخص کے عمل اور فعل سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ کس شخص نے کیا عمل کیا اور کیسا عمل کیا؟ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان بھی ہے کہ اس کے کسی عمل پر کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں، اور آپ عادلِ مطلق بھی ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے وہ یقیناً یہ بھی مانے گا کہ آپ سے ظلم سرزد نہیں ہو سکتا، آپ کا ہر کام عدل پر مبنی ہے "وَمَا اَنَا بظلّام للعبید" لہٰذا اگر ترازوئیں قائم کئے بغیر اور اعمال کا وزن کئے بغیر ویسے ہی اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے کہ یہ شخص جنت میں جائے گا اور یہ شخص جہنم میں جائے گا، تو اس صورت میں کون شخص اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر اعتراض یا چون وچرا کرتا، اس لئے کہ کسی کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کر دیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق بھی ہیں، عالم مطلق بھی ہیں اور عادلِ مطلق بھی ہیں، لہٰذا کسی کو چوں وچرا کی مجال نہیں تھی۔

تاکہ انصاف ہوتا ہوا دیکھیں

لیکن اللہ تعالیٰ نے اعمال کے وزن کے لئے ترازوئیں قائم کر کے مخلوق کو یہ سبق دیدیا کہ ہم بھی کسی شخص کی سزا کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتے جب تک

اس کے سامنے ثبوت فراہم نہ کردیا جائے، لہٰذا ہر شخص کو قیامت کے روز اس کی سزا کا ثبوت فراہم کر کے اس سے کہا جائے گا "اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا" (اسراء: ۱۴) یہ ہے تمہارا اعمال نامہ تم اس کو خود پڑھ کے اپنا حساب خود کرلو، لہٰذا ہر شخص پر یہ ثابت کردیا جائے گا کہ اس نے یہ غلطی کی ہے۔ یہ سب وزن اعمال یہ بتانے کے لئے کیا جائے گا کہ انصاف صرف قائم نہیں کیا جاتا بلکہ انصاف اس طرح ہونا چاہئے کہ انصاف ہوتا ہوا نظر بھی آئے، تب جا کر پتہ چلے گا کہ ہاں حقیقت میں اب انصاف ہوا، اور اس پر کسی کو اعتراض کرنے کی مجال نہ ہو۔

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ وزنِ اعمال کے ذریعہ مخلوق کو انصاف ہوتا ہوا دکھائیں گے تو مخلوق کو اپنے درمیان فیصلے کرتے وقت انصاف دکھانا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے فرمایا کہ اگر قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا چاہے تو وہ نہیں کرسکتا، جب تک اس کے سامنے ثبوت موجود نہ ہو۔

اعمال غیر مجسم ہونے کی وجہ سے وزن کس طرح ہوگا؟

آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأن اعمال بنى آدم وقولهم يوزن"

یعنی بنی آدم کے اعمال اور اقوال سب کا وزن ہوگا۔ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان عقل پرست لوگوں کی تردید فرمائی جو یہ کہتے ہیں کہ اعمال تو کوئی ایسی چیز نہیں ہیں جن کو ترازو میں تولا جائے، ترازو میں تولنے کے لئے کوئی جسم ہونا چاہئے، اور اعمال تو اعراض ہیں، ان کو کس طرح ترازو میں تولا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ اعمال کا وزن نہیں ہوگا بلکہ اعمال

ناموں کا وزن ہوگا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نہ تو اعمال کا وزن ہوگا اور نہ اعمال ناموں کا وزن ہوگا بلکہ عمل کرنے والے انسانوں کا وزن ہوگا، اور جس انسان کے اعمال اچھے ہونگے اس انسان کا وزن زیادہ ہو جائے گا، اور جس انسان کے اعمال اچھے نہیں ہونگے، ان کا وزن کم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اعمال کے وزن پر قادر ہیں

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ سے اس طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں، نہ تو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ اعمال ناموں کا وزن ہوگا، اور نہ یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ انسانوں کا وزن ہوگا، سیدھی سی بات یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے یہ کہہ دیا کہ اعمال کا وزن ہوگا تو اب یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اعمال ہی کا وزن ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے؟ تو یہ سوال فضول ہے، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، جب اجسام کے اندر وزن کی صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں تو اعراض کے اندر بھی وزن کی صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں۔ آج کی سائنس نے تو یہ بات اب جاکر بتائی ہے کہ حرارت اور گرمی اور سردی تولی جاسکتی ہے اور آواز کی رفتار ناپی جاسکتی ہے، لہٰذا جب سائنس آوازوں کو اور گرمی اور سردی کو تولنے پر قادر ہے تو وہ ذات جو قادر مطلق ہے، اگر وہ انسانوں کے اعمال تولنے کے لئے کوئی میزان قائم کردے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

ہماری عقل ناقص ہے

رہا یہ سوال کہ کس طرح تولے جائیں گے؟ سو یہ سوال فضول ہے، کیونکہ

ہماری یہ محدود عقل اس طریقہ کار کا احاطہ نہیں کر سکتی جو قادر مطلق اس وقت عمل میں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کا کیا طریقہ کار ہوگا؟ اور کیا اس کی تفصیلات ہوں گی، ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم بالا کے حالات ہم اور آپ اس دنیا میں بیٹھ کر اس چھوٹی سی عقل سے سمجھ سکتے ہی نہیں؟ جو الفاظ قرآن کریم میں جس طرح آئے ہیں، ان پر اسی طرح ایمان لے آؤ، اسی میں عافیت ہے۔

جنّت کی نعمتیں عقل سے ماوراء ہیں

مثلاً قرآن کریم میں آیا ہے کہ جنت میں انار ہونگے، کھجور ہوگی، پھل ہونگے، لیکن وہ پھل کیسے ہونگے اور وہ انار کیسے ہونگے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا نام تو بیشک انار اور کھجور کا ہے، لیکن جنت کے انار اور کھجور اور پھل کو دنیا کے انار اور کھجور سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ جنت کی نعمتوں کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

"مالا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر"

(مسند احمد: ج۲ ص۴۳۸)

جنت میں جو نعمتیں ملنے والی ہیں اس کو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے اس کے بارے میں سنا ہے اور نہ کسی کے دل پر اس کا خیال تک گزرا۔ لہٰذا اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ میزان کیسی ہوگی؟ کتنی بڑی ہوگی؟ کس طرح اس میں اعمال کا وزن کیا جائے گا؟ یہ سب فضول بحثیں ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے، لیکن تولے ضرور جائیں گے۔

وزن اعمال کا استحضار کر لیں

یہاں پر یہی بیان کرنا مقصود ہے کہ اعمال کا وزن ضرور ہوگا، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہاں بیان کردہ یہ ایک جملہ کہ "وأنّ أعمال بني آدم وقولهم يوزن" صرف اس ایک جملے ہی کو ہم اپنے لوح قلب پر لکھ لیں کہ بنی آدم کے اعمال اور اقوال تولے جائیں گے، تو پھر اس دنیا سے ساری بد عنوانیاں، سارے جرائم اور سارے گناہ مٹ جائیں۔ آج دنیا میں جتنے جرائم ہو رہے ہیں وہ اس وجہ سے ہو رہے ہیں کہ اس وزن اعمال کا دھیان اور استحضار نہیں، اور اس پر مکمل اعتقاد نہیں، اسلئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جاتے جاتے یہ نصیحت فرمارہے ہیں کہ یاد رکھنا! یہ اعمال تولے جائیں گے، لہٰذا اس کتاب میں پیچھے جو اعمال بیان کئے گئے ہیں، ان سب کو اس دھیان سے کرو کہ ایک ایک کو تولا جاتا ہے۔

زبان سے نکلنے والے اقوال کا وزن

پھر فرمایا "وقولهم يوزن" یعنی صرف اعمال ہی نہیں، بلکہ زبان سے نکلنے والا کلمہ بھی تولا جائے گا۔ اسی مناسبت سے اس باب میں یہ حدیث لائے ہیں "كلمتان حبيبتان إلى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان" یعنی یہ دونوں کلمے میزان عمل کے اندر بڑے بھاری ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ کلمے بھی تولے جائیں گے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ بعض اوقات انسان اپنے منہ سے ایسا کلمہ نکال دیتا ہے کہ وہ تو اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ منہ سے کیا نکال دیا، لیکن صرف اس

ایک کلمہ کی وجہ سے جہنم کا مستوجب بن جاتا ہے، اور بعض اوقات انسان اپنی زبان سے ایسا کلمہ نکال دیتا ہے کہ وہ اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ منہ سے کیا نکال دیا، لیکن صرف اسی ایک کلمہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمادیتے ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

اس لئے زبان سے نکلنے والے کلمات بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، اور اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے بات کو تولو پھر بولو، یعنی یہ سوچو کہ یہ بات بولنے کی ہے بھی یا نہیں؟ اور آخرت میں جب اس بات کا وزن ہوگا تو اس وقت میرا انجام کیا ہوگا؟

اعمال کی گنتی نہیں ہو گی

اس جملے سے اس طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا، اعمال کی گنتی نہیں ہوگی۔ یعنی عمل کے اندر کیفیت کا اعتبار ہوگا کہ اس عمل میں کتنی للّٰہیت ہے، کتنا خلوص ہے، عمل کی ظاہری شکل وصورت کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ گنتی کا اعتبار ہوگا، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لیبلوکم أیکم أحسن عملاً﴾ (سورۃ الملک: ۲)

یعنی دنیا میں یہ آزمانا مقصود ہے کہ تم میں سے کس کا عمل زیادہ اچھا ہے، "اکثر عملاً" نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ کوئی عمل ہو، اس میں یہ دیکھو کہ اس کے اندر وزن بھی ہے یا نہیں؟

☆☆☆

اعمال میں وزن کیسے پیدا ہو؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعمال کے اندر وزن کیسے پیدا ہوتا ہے؟ زبان حال سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر اعمال میں وزن پیدا کرنے کا طریقہ معلوم کرنا ہے تو میری اس کتاب کی پہلی حدیث پڑھ لو۔ وہ ہے "انما الأعمال بالنیات" یعنی تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، جب کسی عمل کو کرتے وقت نیت خالص اللہ جل جلالہ کے لئے کرلو گے تو اس کے ذریعہ تمہارے عمل میں وزن پیدا ہو جائے گا۔ یا یوں کہہ دیا جائے کہ دو چیزوں سے عمل میں وزن پیدا ہوتا ہے، ایک اخلاص سے، دوسرے اتباع سنت سے۔ یہ دونوں عمل کے لئے لازمی شرطیں ہیں۔ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو اس عمل میں کوئی وزن نہیں ہوگا۔ چاہے دیکھنے میں کتنا ہی بڑا نظر آرہا ہو۔

ریاکاری سے وزن گھٹتا ہے

اگر ایک شخص نے بظاہر بڑے خشوع خضوع سے لمبی چوڑی نماز پڑھی، قیام لمبا کیا، قرأت لمبی کی، لیکن اس کا مقصود دکھاوا تھا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس نماز کا کوئی وزن نہیں، بلکہ الٹا گناہ کا موجب بن جائے گی، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

من صلّی یرائی فقد اشرك باللہ

(مسند احمد، جلد ۴ ص ۱۲۶)

یعنی جس شخص نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ یا مثلاً اللہ تعالیٰ کے راستے میں لاکھوں روپے خرچ کردیے،

لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ اپنی سخاوت کے قصیدے پڑھوانا مقصود تھا، تو اس عمل کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر صرف ایک پیسہ اللہ کے راستے میں اخلاص کے ساتھ خرچ کر دیا، مقصود اللہ کو راضی کرنا تھا تو اسی ایک پیسے کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا وزن ہوگا۔

اتباعِ سنّت سے وزن بڑھتا ہے

دوسری چیز جس سے اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے، وہ ہے "اتباعِ سنت" جس کو دوسرے لفظوں میں "صدق" کہا جاتا ہے، یعنی جو طریقہ نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے، اس طریقے کے مطابق عمل کرو گے تو اس عمل میں وزن پیدا ہوگا، اس کے علاوہ دوسرے طریقے سے کرو گے تو وزن نہیں ہوگا۔ چنانچہ جتنی "بدعات" ہیں، ان میں بعض اوقات اخلاص ہوتا ہے، اور بظاہر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا منظور ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس عمل میں طریقہ وہ نہیں ہوتا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے، اس لئے اس عمل میں وزن نہیں ہوتا۔ ایسے عمل کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (سورہ کہف:)

یعنی قیامت کے روز ہم ان کے اس عمل میں کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے

آج کل کوئی شخص اگر غلط طریقے سے عمل کر رہا ہو اور اس کو اس پر ٹوکا جائے کہ بھائی! یہ طریقہ صحیح نہیں ہے تو جواب میں فوراً یہ کہتے ہیں کہ ہماری

نیت صحیح ہے، حدیث میں ہے کہ "انما الاعمال بالنیات"۔ ایسے لوگوں کو بس یہ ایک حدیث یاد ہو گئی ہے اور اس حدیث کو محل بے محل استعمال کرتے ہیں۔ یاد رکھئے! تنہا نیت کافی نہیں جب تک طریقہ وہ نہ ہو جو جناب رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے آپ نے لاہور جانے کی نیت کرلی اور کوئٹہ جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے، اب آپ کی نیت تو بالکل درست ہے، لیکن جس گاڑی کا آپ نے انتخاب کیا ہے وہ گاڑی آپ کو کوئٹہ لے کر جائے گی، آپ کی نیت کی برکت سے وہ گاڑی آپ کو لاہور لیکر نہیں جائیگی۔ بالکل اسی طرح آپ نے جنت جانے کی نیت کرلی اور راستہ جہنم جانے والا اختیار کیا تو صرف اس نیت کی برکت سے آپ جنت میں نہیں پہنچیں گے۔ اس لئے ہر عمل کے اندر دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ایک صدق اور ایک اخلاص، ان دونوں کے مجموعے سے عمل کے اندر وزن پیدا ہوتا ہے، اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہو تو وہ عمل بے وزن ہو جاتا ہے۔

لفظ "قسط" کی تشریح

آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقال مجاهد: القسطاس العدل بالرومية" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ ہے کہ جب کوئی لفظ آتا ہے تو اس کی مناسبت سے قرآن کریم کے کسی اور لفظ کی بھی تشریح فرمادیا کرتے ہیں۔ چونکہ "قسط" کا لفظ آیا تھا، اس کے مناسب دوسرا لفظ "قسطاس" قرآن کریم کی اس آیت "وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ" میں آیا ہے۔ اس لئے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے فرمار ہے ہیں "القسطاس" "العدل بالرومية" یعنی لفظ "قسطاس" رومی زبان میں عدل کے

معنی میں آتا ہے۔ ویقال: "القسط" مصدر المقسط۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ لفظ "قسط" "مقسط" کا مصدر ہے۔ اب یہاں یہ عجیب بات نظر آرہی ہے کہ لفظ "قسط" ثلاثی مجرد ہے، اور "مُقسط" ثلاثی مزید ہے، لہٰذا لفظ "قسط" "مُقسط" کے لئے کیسے مصدر بن جائے گا؟۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے، یعنی اس کے دو معنی ہیں، اور وہ دونوں معنی ایک دوسرے کے متضاد ہیں، یعنی ایک معنی "انصاف" کے ہیں، اور دوسرے معنی "ظلم" کے بھی ہیں۔ لیکن عام طور پر جب یہ لفظ باب افعال میں استعمال ہوتا ہے تو اس وقت اس کے معنی "انصاف" کرنے کے ہوتے ہیں، اور جب مجرد میں "قَسَطَ یَقْسِطُ" میں استعمال ہوتا ہے تو اس وقت اس کے معنی ظلم کرنے کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے، لیکن استعمال کرتے وقت اکثر و بیشتر بابوں کے درمیان فرق کر دیا ہے، البتہ بعض اوقات اس کے برعکس بھی استعمال کر لیا جاتا ہے کہ مجرد سے انصاف کے معنی میں اور باب افعال سے ظلم کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے۔

حجاج بن یوسف کا واقعہ

"حجاج بن یوسف" جس کا ظلم و ستم بہت مشہور ہے اور جس نے بیشمار علماء کرام، قراء اور حفاظ کو قتل کرادیا۔ اس نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو جو بہت اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، ایک مرتبہ بلوایا، اور پوچھا کہ "ماتقول فیّ" میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اب حجاج بن یوسف جیسا جابر انسان حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ رہا ہے کہ میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اب اگر صحیح بات بتائیں تو سر قلم ہونے اور

سزائے موت جاری ہونے میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی، کوئی مقدمہ عدالت میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں، بس حجاج کا ایک حکم جاری ہو جانا کافی ہے۔ اور اگر اپنی ضمیر کے خلاف غلط بات بتائیں تو یہ گوارا نہیں، لیکن حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ مقام نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ حق کے علاوہ کوئی اور بات زبان سے نکلے، جواب میں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"انت القاسط العادل"

قاسط کے معنی اگرچہ "ظلم کرنے والے" کے بھی ہوتے ہیں اور "انصاف کرنے والے" کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن لفظ "قاسط" کے بعد جب "العادل" بھی کہہ دیا تو اس کے معنی متعین ہو گئے کہ یہاں پر "قاسط" کو "عادل" کے معنی میں لیا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ جواب سن کر لوگ حیران ہوئے اور تعجب کرنے لگے کہ آپ نے حجاج بن یوسف کی شان میں تعریفی جملہ کہدیا۔ لیکن حجاج بڑا گھاگ اور زبان وادب کا بھی بڑا ماہر تھا، چنانچہ جب لوگوں نے جواب کی پسندیدگی کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ تمہیں نہیں معلوم اس نے کیا کہا ہے، اس نے یہ کہا ہے کہ "تو ظالم ہے تو کافر ہے" اس لئے کہ "قاسط" جب مجرد میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی عموماً "ظالم" کے ہوتے ہیں، اور لفظ "عادل" کہکر اس نے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿ثم الذین کفروا بربھم یعدلون﴾ (سورۃ الانعام:۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس آیت میں کفر اور شرک کے لئے لفظ "عدل" استعمال فرمایا ہے، لہٰذا اس نے در حقیقت مجھے لپیٹ کر کافر اور ظالم کہا ہے۔ بہر حال، اس موقع پر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ سے فائدہ اٹھایا۔

آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَمّا القاسط فهو الجائر، یعنی لفظ "قاسط" کے عام طور پر جو معنی ہیں وہ "ظالم" کے آتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے: ﴿واما القاسطون فكانوا لجهنّم حطبًا﴾ (سورۃ الجن: ۱۵) یعنی ظالم لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

احمد بن اشکاب والی روایت آخر میں لانے کی وجہ

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخری حدیث بیان فرمائی:

حدثنا احمد بن اشكاب، قال: حدثنا محمد بن فضيل. عن عمارة بن القعقاع، عن أبى زرعة، عن أبى هريرة رضى الله عنه وعنهم قال: قال النبى ﷺ "كلمتان حبيبتان الى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان فى الميزان، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.

یہی حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں دو جگہوں پر پہلے بھی ذکر فرمائی ہے۔ البتہ وہاں پر ان کے استاذ دوسرے ہیں۔ کتاب الدعوات میں یہی حدیث اپنے استاذ زہیر بن حرب کی سند سے ذکر کی ہے۔ اور کتاب الأیمان میں اپنے استاذ قتیبہ بن سعید کی سند سے ذکر فرمائی ہے، اور یہاں پر اپنے استاذ احمد بن اشکاب کی سند سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو صحیح بخاری کے شارح ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے زیادہ مزاج شناس ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ دراصل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ احمد بن اشکاب سے یہ حدیث سب کے آخر میں سنی تھی، جب کہ دوسرے اساتذہ سے یہی حدیث پہلے سن چکے تھے، اس وجہ سے سب سے آخر میں وہ

روایت لائے جو احمد بن اشکاب سے سنی تھی۔ البتہ بعد کے جو تین راوی ہیں یعنی محمد بن فضیل، عمارۃ بن قعقاع اور ابو زرعۃ۔ یہ تینوں راوی تمام روایتوں میں موجود ہیں، اور صرف انہی سے یہ حدیث مروی ہے، اسی وجہ سے اصطلاح حدیث میں یہ حدیث غریب ہے۔

دو کلمات کی تین صفات

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، اور میزان عمل میں بہت بھاری ہیں۔ وہ دو کلمے یہ ہیں "**سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم**۔ اس حدیث میں ان کلمات کی تین صفتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی صفت یہ ہے کہ یہ دو کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں۔ اب حدیث میں "**حبیبتان الی اللہ**" بھی کہہ سکتے تھے، لیکن اس کے بجائے "**حبیبتان الی الرحمن**" فرمایا۔ اس سے درحقیقت اس طرف اشارہ فرمایا کہ جب یہ دو کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں تو جو شخص ان کلمات کی قدر پہچان کر ان کو پڑھے گا وہ شخص ضرور رحمٰن کی صفتِ رحمت کا مورد بن جائے گا۔ دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ یہ کلمات زبان پر بہت ہلکے ہیں، یعنی ان کو نہ تو پڑھنے میں کوئی دقّت اور مشقت ہے اور نہ یاد کرنے میں کوئی دقت اور مشقت ہے، ایک ہی مجلس میں یہ کلمات یاد ہو جاتے ہیں۔ تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ "**ثقیلتان فی المیزان**" یعنی میزان عمل میں ان کا وزن بہت بھاری ہے۔ میزان عمل کا وزن ہمیں یہاں نظر آنے والا نہیں، بلکہ وہاں جاکر ان کا وزن معلوم ہوگا۔ اس لئے یہ بتایا ہی نہیں جاسکتا کہ "**ثقیلتان فی المیزان**" کے اندر کیا کچھ معارف پوشیدہ ہیں اور ان کلمات کا کیا

وزن ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان الله وبحمده. سبحان الله العظيم

سبحان اللہ کے معنی

"سبحان اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ جل شانہ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ ہماری اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے اس کا صحیح صحیح ترجمہ ہو نہیں سکتا، بس ترجمہ کا کام چلا لیتے ہیں۔ "سبحان اللہ" کا جو حقیقی مفہوم ہے اور اس کے پیچھے جو تأثیر ہے، اس کو انسان ترجمے کے ذریعہ دوسری زبان میں منتقل کر ہی نہیں سکتا، لہٰذا کام چلانے کے لئے یہ ترجمہ کر لیتے ہیں کہ "میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں" اور پاکی بیان کرنے کے معنی یہ ہیں کہ میں اس بات کا اقرار اور اعلان اور اعتراف کرتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ کی ذات بے عیب ہے، اس ذات میں کوئی عیب نہیں۔ اسی کو "تنزیہ" کہا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے منزہ قرار دینا۔ یہ معنی ہوئے "**سبحان الله**" کے۔

"وبحمدہ" کا ترجمہ اور ترکیب

"وبحمدہ" یہ بھی عجیب کلمہ ہے۔ اس کلمہ کو سیدھے سادے طریقے سے بھی کہا جا سکتا تھا کہ: "**سبحان الله والحمد لله**" جیسا کہ دوسری حدیث میں کہا بھی گیا ہے، اور دونوں کلمات کے بے شمار فضائل ہیں، لیکن سیدھے سادے جملے کو چھوڑ کر ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس کی ترکیب کرنے میں لوگوں کو دشواری پیش آئی کہ اس جملہ "وبحمدہ" کی کیا ترکیب کریں؟ اس جملہ میں "واؤ" عاطفہ ہے، یا حالیہ ہے، یا کچھ اور ہے؟ اور یہ "ب" کس معنی میں ہے؟

لیکن بحث اور تفصیل کے بعد شراح کی جو متفق علیہ بات سامنے آئی، وہ یہ ہے کہ اس میں "واؤ" حالیہ ہے، اور "ب" تلبّس کے لئے ہے، اور اب "سبحان الله وبحمده" کے معنی یہ ہوئے کہ "أُسَبِّحُ الله تعالىٰ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ" یعنی میں جس وقت تسبیح کر رہا ہوں، ٹھیک اسی وقت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بھی بیان کر رہا ہوں۔

دیکھئے: "سبحان الله وبحمده" کا سادہ ترجمہ تو یہ ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے اور میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔ لیکن اس ترجمہ میں ذرا سا یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اس میں کوئی عیب نہیں، یہ تعریف اللہ تعالیٰ کی علوِ شان کے لحاظ سے بہت کم ہوتی ہے۔ جیسے کسی بڑے اور شریف آدمی کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اس میں کوئی برائی نہیں ہے، یا یہ آدمی برا نہیں ہے۔ یہ الفاظ اس وقت کہے جاتے ہیں جب اس کی بہت زیادہ تعریف کرنی منظور نہیں ہوتی، اس لئے تعریف کا کلمہ کہنے کے بجائے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ شخص برا نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف یہ کہہ دیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی عیب نہیں، تو یہ کم درجے کی تعریف ہوتی، اگرچہ بعد میں یہ بھی کہہ دے کہ "میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں"، کیونکہ یہ ایک مستقل جملہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کلمہ نے اس بات کو گوارہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کو بے عیب تو کیا جائے لیکن اس کی صفت کمال کا ذکر نہ کیا جائے، اس لئے فرمایا "سبحان اللہ وبحمدہ" یعنی میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہوں اور ٹھیک اسی وقت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بھی بیان کر رہا ہوں، تاکہ "حمد" بیان کرنے میں کوئی وقفہ نہ آئے بلکہ دونوں باتیں ایک ساتھ آجائیں۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب بھی ہے اور تمام صفات کمال کی جامع بھی ہے،

لہٰذا میں اس ذات کی ''حمد'' بھی ساتھ ساتھ بیان کرتا ہوں۔

اللہ کی ذات اور صفات سب بے عیب ہیں

اب کہنے میں تو یہ معمولی بات ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے، لیکن جس وقت بندہ سوچ سمجھ کر اس کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ پھر اس کی صفات بھی بے عیب ہیں، اس کے فیصلے بے عیب ہیں، اس کی شریعت بے عیب ہے، اس کے احکام بے عیب ہیں۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے بے عیب ہونے پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے ایمان کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ پھر وہ اس کی شریعت کے ایک ایک حکم کو بے عیب سمجھ کر اس پر ایمان لائے اور پھر اس پر عمل کرے، اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے کو بے عیب سمجھ کر اس پر راضی ہو جائے۔ لہٰذا اس کلمہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کے اندر رضا بالقضاء بھی داخل ہے، شریعت پر عمل بھی داخل ہے اور سنت پر عمل بھی اس میں ہے۔

''سبحان اللہ العظیم'' کے معنی

دوسرا جملہ حدیث کا یہ ہے ''**سبحان اللہ العظیم**'' یعنی میں اس اللہ کی تسبیح کرتا ہوں جو عظمت والا ہے۔ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبد الحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! اس حدیث کے پہلے جملے ''سبحان اللہ وبحمدہ'' سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ جمال کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے اور تمام محامد کی جامع ہے اور قابل تعریف ذات وہ ہوتی ہے جس میں جمال ہو۔ لہٰذا یہ جملہ صفتِ جمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور دوسرا جملہ

''سبحان اللہ العظیم'' یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ لہٰذا پہلے جملے میں باری تعالیٰ کے جمال کا بیان ہے اور دوسرے جملے میں باری تعالیٰ کے جلال کا بیان ہے، اور جب باری تعالیٰ کے جمال کا تصور کروگے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جمال کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ محبوب ہوتا ہے اور اس کی طرف دل راغب ہوتے ہیں اور اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور جلال کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں خوف پیدا ہوگا، اور جب محبت اور خوف یہ دونوں مل جاتے ہیں تو اس کے نتیجے میں خشیت پیدا ہوتی ہے۔

''خشیت'' کیا چیز ہے

یاد رکھئے! ''خشیت'' عام ڈر اور خوف کا نام نہیں، جیسے ایک ڈر سانپ اور بچھو سے، بھیڑیئے سے، درندوں سے اور ڈاکوؤں سے ہوتا ہے، اس کا نام ''خشیت'' نہیں، بلکہ ''خشیت'' اس ڈر اور خوف کا نام ہے جو محبت سے ناشی ہے، جو اللہ جل شانہ کی محبت سے پیدا ہوتی ہے، اس کا نام حقیقت میں خشیت ہے۔ جیسے باپ کا خوف، استاذ کا خوف، شیخ کا خوف، یہ سب خوف محبت اور عقیدت سے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ باپ نے زندگی بھر بیٹے کو کبھی مارا نہیں، ڈانٹا بھی نہیں، لیکن جب بیٹا اس باپ کے پاس سے بھی گزرتا ہے تو قدم کانپنے لگتے ہیں۔ یہ رعب کس چیز کا ہے؟ درحقیقت یہ رعب محبت سے پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا باری تعالیٰ کی محبت درحقیقت باری تعالیٰ کی خشیت سے ناشی ہے، اس لئے محبت اور خوف کے مجموعہ کا نام ''خشیت'' ہے۔ اب ''سبحان اللہ وبحمدہ'' سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوئی۔ اور ''**سبحان اللہ العظیم**'' سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوا، اور دونوں کا مجموعہ ''خشیت'' ہے، اور سارے اعمال و اخلاق کا

حاصل یہ ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہ کی خشیت پیدا ہو جائے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بالکل آخر میں اس لئے لائے کہ تمام علوم کا خلاصہ "خشیت اللہ" ہے۔ چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

خشیت اللہ را نشانِ علم داں
آیت یخشی اللہ در قرآن بخواں

علم کی علامت "خشیت" ہے، اگر دل میں خشیت پیدا ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ علم حاصل ہوا، اور اگر "خشیت" پیدا نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ علم نہیں آیا، صرف الفاظ و نقوش آگئے۔ لہٰذا جاتے جاتے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر علم کا نتیجہ حاصل کرنا ہے تو اپنے اندر خشیت پیدا کرو، اور "خشیت" پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کلمات کا استحضار کرو اور کثرت سے ان کا ذکر کرو۔

ان کلمات کو صبح و شام پڑھنا

اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص صبح کے وقت "سبحان اللہ وبحمدہ" سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ شام تک اس کے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں اگرچہ وہ ریت کے ذرّات کے برابر ہوں۔ اور اگر شام کو یہ کلمات سو مرتبہ پڑھے تو صبح تک تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ اتنی عظیم فضیلت ان کلمات کی بیان فرمائی ہے۔

خلاصہ

آج کی اس مجلس کا خلاصہ دو باتیں ہیں، ان دو باتوں پر ہم عمل کرلیں تو یہ مجلس ہمارے لئے کار آمد اور مفید ہو گی، پہلی بات یہ ہے کہ اس بات کا استحضار

اور دھیان پیدا کریں کہ ہمارے اعمال کا وزن ہوتا ہے۔ اور اعمال کے اندر وزن پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں: ایک "اتباع سنت" اور دوسرے "اخلاص" ہے۔ اور یہاں سے اس بات کی فکر لیکر جائیں کہ اللہ تعالیٰ یہ دونوں چیزیں ہمارے اندر پیدا فرمادیں، تاکہ آخرت میں ہمارے اعمال وزنی ہو جائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دو کلمات جن کو حدیث میں اتنی عظیم فضیلت دی گئی ہے، ان کلمات کو حرز جان بنائیں، اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہ کلمات زبان پر ہوں، اور اگر اس نیت سے پڑھیں کہ ان کے ذریعہ میرے اندر "خشیت" پیدا ہو تو پھر انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ وہ مقصد حاصل کرادیں گے اور "خشیت" پیدا فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کامیاب مؤمن کون؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

کامیاب مؤمن کون؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ○فَمَنِ

ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ○

(سورۃ المؤمنون: ۱تا۷)

آمَنۡتُ باللّٰہِ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

حقیقی مؤمن کون ہیں؟

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! میں نے ابھی آپ کے سامنے سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیتیں تلاوت کی ہیں، یہ آیتیں آٹھارویں پارے کے بالکل شروع میں آئی ہیں، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''مؤمنین'' کی صفات بیان فرمائی ہیں کہ صحیح معنی میں ''مؤمن'' کون لوگ ہیں؟ ان کی صفات کیا ہیں؟ وہ کیا کام کرتے ہیں اور کن کاموں سے بچتے ہیں؟ ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ جو مؤمنین ان صفات کے حامل ہوں گے، ان کو فلاح حاصل ہوگی۔

کامیابی کا مدار عمل پر ہے

ان آیات کی ابتداء ہی ان الفاظ سے فرمائی:

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ○

یعنی ان مؤمنین نے فلاح پائی جن کے اندر یہ صفات ہیں۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر مسلمان فلاح چاہتے ہیں تو ان اعمال کو اختیار کرنا

ہوگا، یہ صفات اپنانی ہوں گی اور اس بات کی پوری کوشش کرنی ہوگی کہ جو باتیں یہاں بیان کی جارہی ہیں ان کو اپنی زندگی کے اندر داخل کریں، کیونکہ اسی پر مسلمانوں کی فلاح کا دارومدار ہے اور اسی پر فلاح موقوف ہے۔

فلاح کا مطلب

پہلے یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ "فلاح" کا کیا مطلب ہے؟ جب ہم اردو زبان میں "فلاح" کا ترجمہ کرتے ہیں تو عام طور پر اس کا ترجمہ "کامیابی" سے کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ہمارے پاس اردو زبان میں اس کے معنی ادا کرنے کے لئے کوئی اور لفظ موجود نہیں، اس وجہ سے مجبوراً اس کا ترجمہ "کامیابی" سے کر دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں عربی زبان کے لحاظ سے اور قرآن کریم کی اصطلاح کے لحاظ سے "فلاح" کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے، اس لفظ کے اصل معنی یہ ہیں "دنیا و آخرت میں خوشحال ہونا" دنیا و آخرت دونوں کی خوشحالی کے مجموعے کو "فلاح" کہا جاتا ہے، چنانچہ اذان میں ایک کلمہ کہا جاتا ہے: "حَيَّ عَلَى الفلاح" آؤ فلاح کی طرف، اذان کے اس کلمہ سے بھی یہ بات بتائی جارہی ہے کہ اگر تم دنیا و آخرت دونوں کی خوشحالی چاہتے ہو تو نماز کے لئے آؤ اور مسجد میں پہنچو۔ بہرحال! "فلاح" کا لفظ بڑا ہی جامع اور مانع لفظ ہے۔

قرآن کریم میں سورۃ بقرہ کی ابتداء میں بھی فلاح کا لفظ استعمال ہوا ہے:

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ...... اُولٰٓئِكَ عَلٰى

هُدًی مِنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

یعنی جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، قرآن کریم پر اور قرآن کریم سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان رکھنے والے ہیں، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ لہٰذا ''فلاح'' کا لفظ بڑا جامع ہے اور دنیا و آخرت کی تمام خوشحالیوں کو شامل ہے۔

کامیاب مؤمن کی صفات

اس ''سورۃ المؤمنون'' میں یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ مؤمن فلاح پائیں گے جن کے اندر وہ صفات ہوں گی جو آگے مذکور ہیں، پھر ایک ایک صفت کو بیان فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح پائیں گے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں اور بیہودہ اور فضول باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور زکوٰۃ کے حکم پر عمل کرنے والے ہیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور اپنی امانتیں اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔ یہ ساری صفات ان آیات کریمہ میں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ہر صفت تفصیل اور تشریح چاہتی ہے، ان صفات کا مطلب سمجھنے کی ضرورت ہے، اگر ان صفات کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ ہمارے ذہنوں میں بٹھا دیں اور ان صفات کی اہمیت ہمارے ذہنوں میں پیدا فرما دیں اور ان صفات پر عمل کی توفیق عطا فرما دیں تو انشاء اللہ ہم سب فلاح یافتہ ہیں۔ اس لئے خیال آیا کہ ان صفات

کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے، ہوسکتا ہے کہ ان کے بیان میں چند ہفتے لگ جائیں، ایک ایک صفت کا بیان ایک ایک جمعہ کو ہوتا جائے گا تو ساری صفات کا انشاء اللہ بیان ہو جائے گا۔

پہلی صفت: خشوع

پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ گویا کہ فلاح کی اولین شرط اور فلاح کا سب سے پہلا راستہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف یہ کہ نماز پڑھے بلکہ نماز میں خشوع اختیار کرے، کیونکہ نماز ایسی چیز ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ۶۲ سے زیادہ مقامات پر اس کا حکم فرمایا، حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ حکم دیدیتے تو بھی کافی تھا، کیونکہ اگر ایک مرتبہ بھی قرآن کریم میں کسی کام کا حکم آجائے تو اس کام کو کرنا انسان کے ذمے فرض ہو جاتا ہے، لیکن نماز کے بارے میں باسٹھ مرتبہ حکم دیا کہ نماز قائم کرو۔ اس کے ذریعہ اس حکم کی اہمیت بتانا مقصود ہے کہ نماز کو معمولی کام مت سمجھو اور یہ نہ سمجھو کہ یہ روز مرہ کی روٹین کی ایک معمولی چیز ہے بلکہ مؤمن کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے سب سے اہم کام نماز پڑھنا ہے نماز کی حفاظت کرنا ہے، اور نماز کو اس کے احکام اور آداب کے ساتھ بجالانا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور خلافت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے دوسرے خلیفہ ہیں، ان کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں کو فتوحات بہت زیادہ ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ہاتھوں قیصر وکسریٰ کی شوکتوں کا پرچم سرنگوں کیا، قیصر وکسریٰ کے محلات مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ ایک دن میں نے حساب لگایا تو یہ بات سامنے آئی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیرنگیں ممالک کا کل رقبہ آج کے ۱۵ ملکوں کے برابر ہے، یعنی آج پندرہ ممالک ان جگہوں پر قائم ہیں جہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت تھی۔ یہ ایسے امیر المؤمنین تھے کہ فرماتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مرجائے تو مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے آخرت میں یہ سوال ہوگا کہ اے عمر! تیری حکومت میں ایک کتا بھوکا مرگیا تھا، اتنی زیادہ ذمہ داری کا احساس کرنے والے تھے۔ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوش حالی بھی عطا فرمائی، کوئی شخص ان کی حکومت میں بھوکا نہیں تھا، سب کو انصاف مہیا تھا، عدل وانصاف کا دور دورہ تھا، مسلمانوں کے ساتھ، غیر مسلموں کے ساتھ؛ مردوں کے ساتھ، عورتوں کے ساتھ، بوڑھوں کے ساتھ، بچوں کے ساتھ انصاف کا عظیم نمونہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت نے پیش کیا۔

حضرت عمرؓ کا سرکاری فرمان

اتنی بڑی حکومت کے جتنے فرمان رواں تھے اور مختلف صوبوں میں جتنے گورنر مقرر تھے اور مختلف شہروں میں جو حاکم مقرر تھے، ان سب کے نام

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سرکاری فرمان بھیجا، یہ فرمان حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مؤطا'' میں لفظ بہ لفظ روایت کیا ہے، اس فرمان میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ أهم أمركم عندی الصلاة فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه ومن ضَيَّعَها فهو لما سواها اضيع۔

(مؤطا امام مالک کتاب وقوت الصلاۃ حدیث نمبر ٦)

میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے، جس شخص نے نماز کی حفاظت کی اور اس پر مداومت کی، اس نے اپنے دین کی حفاظت کی، اور جس شخص نے نماز کو ضائع کیا، وہ اور چیزوں کو زیادہ ضائع کرے گا۔ ضائع کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا، اور یہ معنی بھی ہیں کہ نماز پڑھے گا لیکن غلط طریقے سے پڑھے گا، اور ضائع کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ نماز پڑھنے میں لاپرواہی سے کام لے گا۔

نماز کو ضائع کرنے سے دوسرے امور کا ضیاع

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حکام کو یہ فرمان اس لئے لکھ کر بھیجا کہ عام طور پر حاکم کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ میرے سر پر تو قوم کی بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں، لہٰذا اگر میں ان ذمہ داریوں کی خاطر کسی وقت کی نماز قربان بھی کردوں تو کوئی حرج نہ ہوگا، کیونکہ میں بڑے فریضے کو ادا کر رہا ہوں ـــــ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاکموں کی اس غلط فہمی

کو دور فرما رہے ہیں کہ تم یہ مت سمجھنا کہ حاکم بننے کے بعد تمہاری ذمہ داریاں نماز سے زیادہ فوقیت رکھتی ہیں، بلکہ میرے نزدیک سب سے اہم کام یہ ہے کہ تمہاری نماز صحیح ہونی چاہئے، اگر اس نماز کی حفاظت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہو گے اور اگر تم نے نماز کو ضائع کر دیا تو تمہارے دوسرے کام اس سے زیادہ ضائع ہوں گے اور پھر حکومت کا کام تم سے ٹھیک نہیں چلے گا کیونکہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق تمہارے شامل حال نہ رہی تو پھر تمہارے کام کیسے درست ہوں گے۔

آجکل کی ایک گمراہانہ فکر

آج کل ہمارے معاشرے میں ایک گمراہی پھیل گئی ہے، وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دماغ میں یہ بات آ گئی ہے کہ بہت سے کام ایسے ہیں جو نماز سے زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر یہ بات ان لوگوں کے اندر پیدا ہوگئی ہے جو دین کے کام میں مشغول ہیں، دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں، جہاد کا کام کر رہے ہیں، سیاست کا کام کر رہے ہیں، یہ حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑا کام کر رہے ہیں، لہٰذا چونکہ ہم بڑا کام کر رہے ہیں، اس لئے اگر کبھی اس بڑے کام کی خاطر نماز چھوٹ گئی یا نماز میں کمی آ گئی یا نماز میں کوئی نقص واقع ہوگیا تو کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ ہم اس سے بڑے کام میں لگے ہوئے ہیں، ہم دعوت وتبلیغ کے کام میں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام میں لگے ہوئے ہیں، جہاد کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور سیاست کے کام

میں یعنی دین کو اس دنیا میں برپا کرنے اور اقامت دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے اگر ہماری جماعت چھوٹ جائے گی تو ہم گھر میں نماز پڑھ لیں گے اور اگر نماز کا وقت نکل گیا تو قضاء پڑھ لیں گے۔ یاد رکھئے! یہ بڑی گمراہانہ فکر ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور گمراہی کا علاج

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ دین کا کام کرنے والا کون ہوگا؟ ان سے بڑا سیاست کا علم بردار کون ہوگا؟ ان سے بڑا جہاد کرنے والا کون ہوگا؟ ان سے بڑا داعی اور ان سے بڑا مبلغ کون ہوگا؟ لیکن وہ اپنے تمام فرمانرواؤں کو باقاعدہ یہ سرکاری فرمان جاری کر رہے ہیں کہ میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے اہم چیز نماز ہے، اگر تم نے اس کی حفاظت کی تو تمہارے اور کام بھی درست ہوں گے اور اگر اس کو ضائع کر دیا تو تمہارے اور کام بھی خراب ہوں گے۔

اپنے کو کافروں پر قیاس مت کرنا

تم اپنے آپ کو کافروں پر قیاس مت کرنا، غیر مسلموں پر قیاس مت کرنا اور یہ مت سوچنا کہ غیر مسلم بھی تو نماز نہیں پڑھ رہے ہیں مگر ترقی کر رہے ہیں، دنیا میں ان کا ڈنکا بج رہا ہے، خوشحالی ان کا مقدر بنی ہوئی ہے اور دنیا کے اندر انکی ترقی کے ترانے پڑھے جا رہے ہیں۔ یاد رکھو! تم اپنے آپ کو ان پر قیاس مت کرنا، اللہ تعالیٰ نے مؤمن کا مزاج اور مؤمن کا طریقہ زندگی کافر

کے مقابلے میں بالکل مختلف قرار دیا ہے، قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ مؤمن کو فلاح نہیں ہوسکتی جب تک وہ ان کاموں پر عمل نہ کرے جو یہاں بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے سب سے پہلا کام نماز ہے۔

نماز میں خشوع مطلوب ہے

لہٰذا اگر تم فلاح چاہتے ہو تو اس کی پہلی شرط نماز کی حفاظت ہے۔ پھر یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ فلاح پائیں گے جو نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح پائیں گے جو اپنی نماز میں ''خشوع'' اختیار کرنے والے ہیں۔ خشوع کا کیا مطلب ہے؟ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو ''خشوع'' عطا فرمادے۔ آمین۔

''خضوع'' کے معنی

دیکھئے! دو لفظ ہیں جو عام طور پر ایک ساتھ بولے جاتے ہیں، ایک ''خشوع'' دوسرا ''خضوع'' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے بڑے خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھی۔ خشوع ''ش'' سے ہے اور خضوع ''ض'' سے ہے، دونوں کے معنی میں تھوڑا سا فرق ہے، خضوع کے معنی ہیں ''جسم کو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دینا'' یعنی جب نماز میں کھڑے ہوئے تو جسم کو اللہ جل شانہ کے آگے جھکا دیا۔ جسم کو جھکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوئے تو تمام آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے کھڑے ہوئے، رکوع کیا تو اس کے آداب کے ساتھ رکوع کیا، سجدہ کیا تو اس کے آداب کے ساتھ سجدہ کیا، گویا کہ ''اپنے

ظاہری اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دینا'' یہ معنی ہیں خضوع کے، لہٰذا خضوع کا تقاضہ یہ ہے کہ جب آدمی نماز میں کھڑا ہو تو اس کے تمام اعضاء ساکن اور ساکت ہوں اور ان کے اندر حرکت نہ ہو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ (البقرہ: ۲۳۸)

یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑے ہوں تو قانت بن کر کھڑے ہوں۔ قانت کے معنی ہیں سکون کے ساتھ کھڑا ہونا، لہٰذا نماز میں بلاوجہ اپنے جسم کو ہلانا، بلاوجہ بار بار ہاتھ اٹھا کر اپنے جسم یا سر کو کھجانا، کپڑے درست کرنا، یہ سب باتیں خضوع کے خلاف ہیں۔

نماز میں اعضاء کو حرکت دینا

فقہاء کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے ایک رکن مثلاً قیام میں تین مرتبہ بار بار بلاضرورت اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر کوئی کام کرے گا تو اس کی نماز ہی ٹوٹ جائے گی، اور اگر تین مرتبہ سے کم کیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی لیکن نماز کی جو شان ہے اور جو سنّت طریقہ ہے وہ حاصل نہیں ہوگا، نماز کی برکت حاصل نہیں ہوگی۔ آج کل ہماری نمازوں میں یہ خرابی کثرت سے پائی جاتی ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو اپنے جسم کو بلاوجہ حرکت دیتے ہیں، یہ بلاوجہ حرکت دینا خضوع کے خلاف ہے اور سنّت کے اور نماز کے آداب کے خلاف ہے۔

تم شاہی دربار میں حاضر ہو

جب تم نماز میں کھڑے ہوتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہوتے ہو۔ اگر کسی سربراہ مملکت کا دربار ہو اور اس دربار میں پریڈ ہو رہی ہو تو اس پریڈ میں جو شریک ہوتا ہے وہ پریڈ کے آداب کی پوری پابندی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے، وہ یہ نہیں کرتا کہ کبھی سر کھجا رہا ہے، کبھی ہاتھ کھجا رہا ہے، کبھی کپڑے درست کر رہا ہے، کیونکہ کسی بادشاہ کے دربار میں یہ حرکتیں نہیں کی جاتیں۔ جب دنیا کے عام بادشاہوں کا یہ حال ہے تو تم تو احکم الحاکمین کے دربار میں کھڑے ہو جو سارے بادشاہوں کا بادشاہ ہے، اس کے دربار میں کھڑے ہو کر ایسی بیجا حرکتیں کرنا بالکل مناسب نہیں ہے بلکہ اس کے دربار کے تمام آداب کا لحاظ کر کے کھڑا ہونا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک اور خضوع

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ گرمی کے موسم میں رات کے وقت اپنے گھر کی چھت پر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے، ان کے پڑوسی ان کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے چھت پر کوئی لکڑی کھڑی ہے جس میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو تو قانت بن کر اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر سمجھ کر کھڑے ہو۔

گردن جھکانا خضوع نہیں

نماز میں کھڑے ہونے کا جو سنّت طریقہ ہے، اس کے مطابق کھڑا ہونا ہی خضوع ہے۔ بعض لوگ خضوع پر عمل کرتے ہوئے قیام کی حالت میں بہت جھک جاتے ہیں اور سینہ بھی جھکا لیتے ہیں، یہ طریقہ سنّت کے خلاف ہے، سنّت طریقہ یہ ہے کہ قیام کی حالت میں آدمی سیدھا کھڑا ہو اور گردن اس حد تک نیچی ہو کہ نگاہ سجدہ کی جگہ پر ہو، اس سے زیادہ گردن کو جھکا لینا کہ تھوڑی سینے سے لگ جائے، یہ سنّت کے خلاف ہے۔ اور بلا وجہ نماز کے اندر حرکت کرنا بھی خلافت سنّت ہے، ہاں اگر کبھی بہت زیادہ خارش ہو رہی ہو تو کھجانا جائز ہے، لیکن بلا وجہ حرکت کرنا سنّت کے خلاف ہے۔ بہر حال! خضوع کے معنی ہیں ''اپنے جسم کو اللہ تعالیٰ کے لئے جھکا لینا۔''

خشوع کے معنی

دوسرا لفظ ہے ''خشوع'' اس کے معنی ہیں ''دل کو اللہ تعالیٰ کے لئے جھکا لینا'' یعنی دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر لینا، دونوں کا مجموعہ خشوع خضوع کہلاتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نماز خشوع خضوع کے ساتھ پڑھو، یہ دونوں کام ضروری ہیں۔

خضوع کا خلاصہ

آج میں نے مختصراً ''خضوع'' کے بارے میں عرض کر دیا، اس کا

خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں جو سنّت طریقہ ہے، اس کے مطابق اپنے اعضاء کو لے آؤ اور بلاضرورت اعضاء کو حرکت نہ دو۔ اب سوال یہ ہے کہ کس طرح سنّت کے مطابق اعضاء کو لائیں، اس کے لئے میرا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو ''نمازیں سنّت کے مطابق پڑھیئے'' کے نام سے شائع ہوگیا ہے، انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہوگیا ہے، اس رسالے کو سامنے رکھیے اور دیکھئے کہ اپنے اعضاء کو نماز کے اندر رکھنے کے کیا آداب ہیں، اگر اس پر عمل کرلیا جائے تو

اور خضوع حاصل ہو جائے گا۔ خشوع کس طرح حاصل ہوگا؟ اس کے بارے میں انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نماز کی اہمیت
اور اس کا صحیح طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

نماز کی اہمیت اور اس کا صحیح طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلاَتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ (سورة المؤمنون: ۱تا۴)

آمَنتُ باللّٰہِ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، یہ سورۃ مؤمنون کی آیات ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں جن سے فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے، اگر یہ صفات کسی کو حاصل ہو جائیں تو اس کو فلاح حاصل ہوگئی یعنی اس کو دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوگئی اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہوگئی۔

خشوع اور خضوع کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ فلاح پانے والے مؤمن بندے وہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ مؤمن کے تمام کاموں میں سب سے زیادہ اہم کام نماز کی ادائیگی ہے، اسی لئے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی صفات میں سب سے پہلے ''نماز میں خشوع'' کی صفت ذکر فرمائی ہے۔ عام طور پر دو لفظ نماز کے اوصاف کے سلسلے میں بولے جاتے ہیں۔ ایک خضوع اور دوسرا خشوع، ''خضوع'' ضاد سے ہے اور ''خشوع'' شین سے ہے۔ ''خضوع'' کے معنی ہیں: انسان کا اپنے ظاہری اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دینا۔ اور ''خشوع'' کے معنی ہیں: انسان کا اپنے دل کو

اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینا۔ نماز میں دونوں چیزیں مطلوب ہیں یعنی نماز میں خضوع بھی ہونا چاہئے اور خشوع بھی ہونا چاہئے۔

''خضوع'' کی حقیقت

''خضوع'' کے لفظی معنی ہیں ''جھک جانا'' یعنی اپنے آپ کو نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا کرنا کہ تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے ہوئے ہوں، غفلت اور لاپرواہی کا عالم نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب کھڑا ہو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ نماز میں کھڑے ہونے کا کونسا طریقہ باادب ہے اور کونسا طریقہ بے ادب ہے؟ اس کا فیصلہ ہم اپنی عقل سے نہیں کرسکتے بلکہ اس کی تفصیل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے۔ لہٰذا نماز پڑھنے کا ہر وہ طریقہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، وہ باادب ہے اور جو طریقہ آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہو، وہ بے ادب ہے۔ اس لئے نماز اس طریقے سے پڑھنی چاہئے جس طریقے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی۔ ایک مرتبہ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

صَلُّوْا کَمَارَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔

یعنی تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہٰذا جو طریقہ نماز پڑھنے کا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور جس طریقے کی آپ نے تلقین فرمائی، وہ طریقہ باادب ہے، کوئی دوسرا شخص اپنی عقل سے اس میں کمی اور اضافہ نہیں کرسکتا۔

حضرات خلفاء راشدینؓ اور نماز کی تعلیم

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ جو طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا، اس کو یاد رکھیں، اس کو محفوظ رکھیں اور اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور اپنی نمازوں کو اس کے مطابق بنائیں۔ چنانچہ حضرات خلفاء راشدین حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی آدھی دنیا سے زیادہ پر حکومت تھی، لیکن جہاں کہیں جاتے، وہاں پر لوگوں کو بتاتے کہ نماز اس طرح پڑھا کرو اور خود نماز پڑھ کر بتاتے کہ آؤ، میں تمہیں بتاؤں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ تمہارا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو جائے۔

اعضاء کی درستی کا نام خضوع ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شاگردوں سے فرماتے:

الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟

کیا میں تمہیں وہ نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا نماز میں خضوع بھی مطلوب ہے کہ اس نمازی کے سارے اعضاء سنت کے مطابق انجام پائیں، نمازی کے ظاہری اعضاء کا سنت کے

مطابق بنالینا یہ خشوع کی طرف جانے کی پہلی سیڑھی ہے، اور جب آدمی اپنے اعضاء کو درست کرلے گا اور کھڑے ہونے، رکوع کرنے، سجدہ کرنے اور بیٹھنے میں وہ طریقہ اختیار کرلے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل متوجہ کرنے کی پہلی سیڑھی ہے۔

نماز میں خیالات آنے کی ایک وجہ

آج ہمیں اکثر و بیشتر یہ شکوہ رہتا ہے کہ نماز میں خیالات منتشر رہتے ہیں، کبھی کوئی خیال آرہا ہے، کبھی کوئی خیال آرہا ہے اور نماز میں دل نہیں لگتا، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نماز کا ظاہری طریقہ سنت کے مطابق نہیں بنایا اور نہ ہی اس کا اہتمام کیا، بس جس طرح بچپن میں نماز پڑھنا سیکھ لی تھی، اسی طرح پڑھتے چلے آرہے ہیں، یہ فکر نہیں کہ واقعۃً یہ نماز سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ یہ نماز اتنا اہم فریضہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں اس پر سیکڑوں صفحات لکھے ہوئے ہیں جن میں نماز کے ایک ایک رکن کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ کیسے اٹھائیں، قیام کس طرح کریں، رکوع کس طرح کیا جائے، سجدہ کس طرح کیا جائے، قعدہ کس طرح کیا جائے، ان سب کی تفصیلات کتابوں میں موجود ہے، لیکن ان طریقوں کے سیکھنے کی طرف دھیان نہیں، بس جس طرح قیام کرتے چلے آرہے ہیں، اسی طرح قیام کرلیا، جس طرح ابتک رکوع سجدہ کرتے چلے آرہے ہیں، اسی طرح رکوع سجدہ کرلیا، لیکن ان کو ٹھیک ٹھیک سنت کے مطابق انجام دینے کی فکر نہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور نماز کا اہتمام

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی عمر کے آخری دور میں فرمایا کرتے تھے کہ آج مجھے قرآن و حدیث اور فقہ پڑھتے پڑھاتے ہوئے اور فتاویٰ لکھتے ہوئے ساٹھ سال ہو گئے ہیں اور ان کاموں کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہیں ہے لیکن ساٹھ سال گزرنے کے بعد اب بھی بعض اوقات نماز میں ایسی صورت پیش آ جاتی ہے کہ مجھے پتہ نہیں چلتا کہ اب میں کیا کروں؟ پھر نماز کے کتاب اٹھا کر دیکھنی پڑتی ہے کہ میری نماز درست ہوئی یا نہیں؟ میرا تو یہ حال ہے، لیکن میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ساری عمر نماز پڑھتے چلے جا رہے ہیں اور کبھی کسی وقت دل میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میری نماز سنت کے مطابق ہوئی یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہوئی یا نہیں؟ کبھی ذہن میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں میں اس بات کی اہمیت ہی نہیں کہ اپنی نمازوں کو سنت کے مطابق بنائیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی سب سے پہلے نماز کا طریقہ درست کرے۔

قیام کا صحیح طریقہ

اب میں مختصراً نماز کا صحیح طریقہ عرض کر دیتا ہوں، ان آیات کی تفسیر انشاء اللہ آئندہ جمعوں میں عرض کروں گا۔ جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو تو

اس میں سنّت یہ ہے کہ آدمی کا پورا جسم قبلہ رُخ ہو، لہٰذا جب کھڑے ہوں تو سب سے پہلے قبلہ رُخ ہونے کا اہتمام کرلیں، سینہ بھی قبلہ رخ ہو، اگر کسی وجہ سے سینہ تھوڑی دیر کے لئے قبلہ سے ہٹ گیا تو نماز تو ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے یہ نہیں کہتے کہ جاؤ ہم تمہاری نماز قبول نہیں کرتے، لہٰذا نماز تو ہو جائے گی لیکن اس نماز میں سنّت کا نور حاصل نہ ہوگا، سنّت کی برکت حاصل نہ ہوگی، کیونکہ اس طرح کھڑا ہونا سنّت کے خلاف ہے۔ اسی طرح پاؤں کی انگلیوں کا رُخ اگر قبلہ کی طرف ہو جائے تو جسم کا ایک ایک حصّہ قبلہ رُخ ہو جائے گا، اب بتایئے کہ اگر انسان اس طرح سنّت کے مطابق پاؤں رکھے تو اس میں کیا تکلیف ہو جائے گی؟ کوئی پریشانی لائق ہو جائے گی؟ یا کوئی بیماری لاحق ہو جائے گی؟ کچھ بھی نہیں، صرف توجہ اور دھیان کی بات ہے، کیونکہ توجہ، دھیان اور اہتمام نہیں ہے، اس لئے یہ غلطی ہوتی ہے، اگر ذرا دھیان کرلیں تو سنّت کے مطابق قیام ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں وہ نماز خضوع کے دائرے میں آ جائیگی اور اس نماز میں سنّت کے انوار و برکات حاصل ہو جائیں گے۔

نیت کرنے کا مطلب

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت کردوں۔ وہ یہ کہ نیت نام ہے دل کے ارادہ کرنے کا، بس آگے زبان سے نیت کرنا کوئی ضروری نہیں۔ چنانچہ آج بہت سے لوگ نیت کے خاص الفاظ زبان سے ادا کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں

مثلاً چار رکعت نماز فرض، وقت ظہر کا، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف، پیچھے پیش امام کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے اللہ اکبر۔ زبان سے یہ نیت کرنے کو لوگوں نے فرض و واجب سمجھ لیا ہے، گویا اگر کسی نے یہ الفاظ نہ کہے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ یہاں تک دیکھا گیا کہ امام صاحب رکوع میں ہیں، مگر وہ صاحب اپنی نیت کے تمام الفاظ ادا کرنے میں مصروف ہیں اور اس کے نتیجے میں رکعت بھی چلی جاتی ہے، حالانکہ یہ الفاظ زبان سے ادا کرنا کوئی ضروری اور فرض و واجب نہیں، جب دل میں یہ ارادہ ہے کہ فلاں نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھ رہا ہوں، بس یہ ارادہ کافی ہے۔

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا طریقہ

اسی طرح جب تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہیں تو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ان کو سنّت کے مطابق اٹھائیں، بلکہ جس طرح چاہتے ہیں ہاتھ اٹھا کر ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز شروع کر دیتے ہیں۔ سنّت طریقہ یہ ہے کہ ھتیلی کا رُخ قبلہ کی طرف ہو اور انگوٹھوں کے سرے کانوں کی لو کے برابر آجائیں، یہ صحیح طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسرے طریقے ہیں، مثلاً بعض لوگ ھتیلیوں کا رُخ کانوں کی طرف کر دیتے ہیں، بعض لوگ آسمان کی طرف کر دیتے ہیں، یہ سنّت طریقہ نہیں، اگر اس طریقے سے ہاتھ اٹھا کر نماز شروع کر دی تو نماز تو ادا ہو جائے گی لیکن سنّت کی برکت اور سنّت کا نور حاصل نہ ہوگا، صرف دھیان اور توجہ کی بات ہے، اس توجہ کی وجہ سے یہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

ہاتھ باندھنے کا صحیح طریقہ

اسی طرح ہاتھ باندھنے کا معاملہ ہے، کوئی سینے پر باندھ لیتا ہے، کوئی بالکل نیچے کر دیتا ہے اور کوئی کلائی پر ہتھیلی رکھ دیتا ہے۔ یہ سب طریقے سنّت کے خلاف ہیں، سنّت طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے داھنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر پہنچے کو پکڑ لے اور درمیان کی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ لے اور ناف کے ذرا نیچے ہاتھ باندھ لے۔ یہ ہے مسنون طریقہ۔اس طریقے پر عمل کرنے سے سنّت کی برکت بھی حاصل ہوگی اور نور بھی حاصل ہوگا، اگر اس طریقے کے خلاف ویسے ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ دو گے تو کوئی مفتی یہ نہیں کہے گا کہ نماز نہیں ہوئی، نماز درست ہو جائے گی، لیکن سنّت کے طریقے پر عمل نہ ہوگا، بس ذرا سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔

قرأت کا صحیح طریقہ

ہاتھ باندھنے کے بعد ثنا "سُبحانَكَ اللّٰھُمَّ" پڑھے، پھر سورۃ فاتحہ پڑھے اور سورۃ پڑھے۔ ایک نمازی یہ سب چیزیں نماز میں پڑھ تو لیتا ہے لیکن اردو لہجہ میں پڑھتا ہے، یعنی اس کا لب و لہجہ اور اس کی ادائیگی سنّت کے مطابق نہیں ہوتی اور پڑھنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ اور اس کے ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کیا جائے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تجوید اور قرأت سیکھنا بڑا مشکل کام ہے، حالانکہ اس کا سیکھنا کچھ مشکل نہیں، کیونکہ قرآن کریم میں جو حروف استعمال

ہوئے ہیں، وہ کل ۲۹ حروف ہیں اور ان میں سے اکثر حروف ایسے ہیں جو اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں، ان کو صحیح طور پر ادا کرنا تو بہت آسان ہے، البتہ صرف آٹھ دس حروف ایسے ہیں جن کی مشق کرنی ہوگی، مثلاً یہ کہ ''ث'' کس طرح ادا کیا جائے۔ ''ح'' کس طرح ادا کی جائے اور ''ض'' اور ''ظ'' میں کیا فرق ہے۔ اگر آدمی ان چند حروف کی کسی اچھے قاری سے مشق کر لے کہ جب ''ح'' ادا کرے تو ''ہ'' زبان سے نہ نکلے، کیونکہ ہمارے یہاں ''ح'' اور ''ہ'' کی ادائیگی میں فرق نہیں کیا جاتا، لیکن عربی زبان میں دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے، بعض اوقات ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ لینے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اس لئے ان حروف کی مشق کرنا ضروری ہے، یہ کوئی مشکل کام نہیں، لیکن چونکہ ہمیں اس کی فکر نہیں ہے، اس لئے اس کی طرف توجہ اور التفات نہیں ہے۔

خلاصہ

اپنے محلّے کی مسجد کے امام صاحب یا قاری صاحب کے پاس جاکر چند دن تک مشق کرلیں گے تو انشاء اللہ تمام حروف کی ادائیگی درست ہو جائے گی اور نماز سنّت کے مطابق ہو جائے گی۔ آج یہ چند باتیں قیام اور تکبیر تحریمہ سے لے کر سورۃ فاتحہ تک کی عرض کردیں، باقی زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ جمعہ کو عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نماز کا مسنون طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

نماز کا مسنون طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلاَتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ والَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَا جِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ

اَیۡمَانُھُمۡ فَاِنَّھُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ○فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ
ذٰلِکَ فَاُولٰٓـئِکَ ھُمُ الۡعٰدُوۡنَ (سورۃ المؤمنون:اتا۷)
آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورۃ مؤمنون کی ابتدائی چند آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، جن کی تشریح کا سلسلہ میں نے دو ہفتے پہلے شروع کیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مؤمنو کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ وہ فلاح یافتہ ہیں اور جن کو دنیا و آخرت میں فلاح نصیب ہوگی۔ ان میں سے سب سے پہلی صفت جس کا ان آیات میں بیان کیا گیا، وہ نماز میں خشوع اختیار کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک ''خشوع'' اور دوسرا ''خضوع''۔ خشوع کے معنی ہیں ''دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا'' اور ''خضوع'' کے معنی ہیں، اعضاء کو سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دینا۔ گزشتہ جمعہ یہ بیان شروع کیا تھا کہ نماز میں اعضاء کس طرح رکھنے چاہئیں جس کے نتیجے میں ''خضوع'' حاصل ہو، تکبیر تحریمہ کا

طریقہ اور ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ اور قرأت کا صحیح طریقہ عرض کر دیا تھا۔

قیام کا مسنون طریقہ

قیام یعنی نماز میں کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی بالکل سیدھا کھڑا ہو اور نگاہیں سجدے کی جگہ پر ہوں، سجدے کی جگہ کی طرف نظر ہونے کی وجہ سے انسان کے جسم کا اوپر والا تھوڑا سا حصّہ آگے کی طرف جھکا ہوا ہوگا، اس سے زیادہ جھکنا پسندیدہ نہیں، چنانچہ بعض لوگ نماز میں بہت زیادہ جھک جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں کمر میں خم آجاتا ہے، یہ طریقہ پسندیدہ نہیں بلکہ سنت کے خلاف ہے۔ لہٰذا قیام کے وقت اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہئے کہ کمر میں خم نہ آئے البتہ سر تھوڑا سا جھکا ہوا ہو تاکہ نظریں سجدے کی جگہ پر ہو جائیں۔ یہ کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ ہے۔

بے حرکت کھڑے ہوں

اور جب کھڑا ہو تو آدمی یہ کوشش کرے کہ بے حس و حرکت کھڑا ہو اور جسم میں حرکت نہ ہو۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ (سورۃ البقرہ: آیت ۲۳۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز میں کھڑے ہوں تو بے حرکت کھڑے ہوں۔ اکثر لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، جب کھڑے ہوتے ہیں تو جسم کو آگے پیچھے حرکت دیتے رہتے ہیں، بلا وجہ کبھی اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہیں، کبھی پسینہ پونچھتے ہیں، کبھی کپڑے ٹھیک کرتے ہیں، یہ ساری باتیں اس "قنوت" کے

خلاف ہیں جس کا قرآن کریم نے ہمیں اور آپ کو حکم دیا ہے۔

تم احکم الحاکمین کے دربار میں کھڑے ہو

جب نماز میں کھڑے ہو تو یہ تصور کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو، جب آدمی دنیا کے کسی معمولی حکمران کے سامنے بھی کھڑا ہوتا ہے تو ادب کا مظاہرہ کرتا ہے، کوئی بدتمیزی نہیں کرتا، لاپرواہی سے کھڑا نہیں ہوتا، تو جب تم احکم الحاکمین کے سامنے پہنچے ہو تو وہاں پر لاپراہی کا مظاہرہ کرنا اور ڈھیلا ڈھالا کھڑا ہونا اور اپنے ہاتھ پاؤں کو بلا وجہ حرکت دینا، یہ سب نماز کے ادب کے بالکل خلاف ہے اور سنت کے بھی خلاف ہے۔ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک رکن میں بلاضرورت ہاتھ کو تین مرتبہ حرکت دے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس کی تفصیل میں نے گزشتہ جمعوں میں عرض کر دی تھی۔

رکوع کا مسنون طریقہ

قیام کے بعد رکوع کا مرحلہ آتا ہے جب آدمی رکوع میں جائے تو اس کی کمر سیدھی ہو جائے، بعض لوگ رکوع میں اپنی کمر کو بالکل سیدھا نہیں کرتے، یہ سنت کے خلاف ہے، بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کمر بالکل سیدھی ہو اور ہاتھ کی انگلیوں کو کھول کر گھٹنے پکڑ لینے چاہئیں، اور گھٹنے بھی سیدھے ہونے چاہئیں اس میں بھی خم نہ ہو، اور ڈھیلے ڈھالے نہ ہوں، بلکہ کسے ہوئے ہوں، یہ رکوع کا سنت طریقہ ہے، اس طریقے

میں جتنی کمی آئے گی اتنی ہی سنت سے دوری ہوگی، اور نماز کے انوار و برکات میں کمی آئے گی۔

”قومہ“ کا مسنون طریقہ

رکوع کے بعد جب آدمی ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے، اس کو ”قومہ“ کہا جاتا ہے اس قومہ کی ایک سنت آج کل متروع ہوگئی ہے، وہ یہ کہ اس قومہ میں بھی آدمی کو کچھ دیر کھڑا ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ ابھی پوری طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ سجدے میں چلے گئے۔ ایک حدیث میں ایک صحابی بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جتنی دیر آپ رکوع میں رہتے، اتنی ہی دیر قومہ میں بھی رہتے، مثلاً اگر رکوع میں پانچ مرتبہ ”سبحان ربی العظیم“ کہا تو جتنا وقت پانچ مرتبہ ”سبحان ربی العظیم“ کہنے میں لگا اور وہ وقت آپ نے رکوع میں گزارا، تقریباً اتنا ہی وقت آپ قومہ میں گزارتے تھے، اس کے بعد سجدہ میں تشریف لے جاتے، آج ہم لوگ رکوع سے اٹھتے ہوئے ذرا سی دیر میں ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہتے ہیں اور پھر فوراً سجدے میں چلے جاتے ہیں، یہ طریقہ سنت کے مطابق نہیں۔

”قومہ“ کی دعائیں

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ قومہ میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے۔

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلأُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمِلأُ مَابَيْنَهُمَا وَ مِلأُ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ۔

بعض احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ
كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى –

اس سے پتہ چلا آپ ﷺ اتنی دیر قومہ میں کھڑے رہتے جتنی دیر میں یہ الفاظ ادا فرماتے۔ لہٰذا قومہ میں صرف قیام کا اشارہ کر کے سجدہ میں چلے جانا درست نہیں- بلکہ اگر کوئی آدمی سیدھا کھڑا بھی نہیں ہوا تھا کہ وہیں سے سجدے میں چلا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سیدھا کھڑا ہونا ضروری ہے۔

ایک صاحب کی نماز کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک صاحب آئے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنی شروع کردی، لیکن نماز اس طرح پڑھی کہ رکوع میں گئے تو ذرا سا اشارہ کر کے کھڑے ہوگئے اور قومہ میں ذرا سے اشارہ کر کے سجدہ میں چلے گئے اور سجدہ میں گئے تو ذرا سی دیر میں سجدہ کر کے کھڑے ہوگئے۔ اس طرح انہوں نے جلد جلد ارکان ادا کر کے نماز مکمل کرلی، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

وعلیکم السلام، قم فصل فانك لم تصل۔

یعنی سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ صاحب اٹھ کر گئے اور دوبارہ نماز پڑھی، لیکن دوبارہ بھی اسی طرح نماز پڑھی جس طرح پہلی مرتبہ پڑھی تھی، اس لئے کہ ان کو اسی طرح پڑھنے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ:

قم فصل فانك لم تصل۔

جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تیسری مرتبہ پھر انہوں نے جا کر اسی طرح پڑھی اور واپس آئے تو پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ

قم فصل فانك لم تصل۔

جاؤ نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ جب تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے ان سے یہی بات ارشاد فرمائی تو ان صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ﷺ مجھے بتا دیجئے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے، اور مجھے کس طرح نماز پڑھنی چاہئے؟ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز کا صحیح طریقہ بتایا۔

ابتداءً نماز کا طریقہ بیان نہ کرنے کی وجہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ تو

فرمادیا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی، پہلی مرتبہ میں ان کو نماز کا صحیح طریقہ کیوں نہیں بتایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت ان صاحب کو خود پوچھنا چاہئے تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں نماز پڑھ کر آ رہا ہوں، آپ فرما رہے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی، مجھ سے کیا غلطی ہوئی؟ جب انہوں نے نہیں پوچھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں بتایا، اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بتلا دیا کہ جب تک انسان کے دل میں خود طلب پیدا نہ ہو، اس کو تعلیم دینا بعض اوقات بیکار ہو جاتا ہے، اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ ان کے اندر خود طلب پیدا ہو، جب تیسری مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس لوٹا دیا، اس وقت انہوں نے کہا کہ:

یا رسول اللہ ﷺ: أرنی وعلّمنی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے سکھایئے کہ کس طرح نماز پڑھنی چاہئے۔ اس وقت پھر آپ ﷺ نے ان کو نماز پڑھنا سکھایا۔

اطمینان سے نماز ادا کرو

بہرحال! ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طلب کا انتظار تھا کہ جب ان کے اندر طلب پیدا ہو تو ان کو بتایا جائے، دوسری طرف یہ بات تھی کہ آپ نے سوچا کہ جب یہ دو تین مرتبہ نماز دھرائیں گے، اور اس کے بعد نماز کا صحیح طریقہ سیکھیں گے تو وہ طریقہ دل میں زیادہ پیوست ہوگا اور اس بتانے کی اہمیت زیادہ ہوگی۔ اس لئے آپ ﷺ نے تین مرتبہ ان کو نماز

پڑھنے دیا، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جب تم نماز پڑھو تو ہر رکن کو اس کے صحیح طریقے پر ادا کرو، جب قرأت کرو تو اطمینان سے تلاوت کرو، جب کھڑے ہو تو اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو، اور جب رکوع میں جاؤ تو اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، یہاں تک کہ تمہاری کمر سیدھی ہو جائے، جب رکوع سے کھڑے ہو تو اطمینان کے ساتھ اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاؤ کہ کمر میں خم باقی نہ رہے، اس کے بعد جب سجدہ میں جاؤ تو اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو اور جب سجدہ سے اٹھو تو اطمینان کے ساتھ اٹھو، اس طرح نماز کی پوری تفصیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلائی، اور تمام صحابہ کرامؓ نے وہ تفصیل سنی۔ جن صحابہ کرامؓ نے نماز کے بارے میں یہ تفصیل سنی تو انہوں نے فرمایا کہ ان صاحب کی وجہ سے ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نماز کے شروع سے لے کر آخر تک پورا طریقہ سننا اور سیکھنا نصیب ہو گیا۔

نماز واجب الاعادہ ہوگی

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رکوع میں یا قومہ میں یا سجدہ میں اس قسم کی کوتاہی رہ جائے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ لہٰذا اگر رکوع کے اندر کمر سیدھی نہیں ہوئی، یا قومہ کے اندر کمر سیدھی نہیں ہوئی اور بس اشارہ کر کے آدمی اگلے رکن میں چلا گیا جیسا کہ بہت سے لوگ

کرتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے نماز واجب الاعادہ ہے۔ اس لئے اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ قومہ میں بھی اتنا ہی وقت لگائے جتنا وقت رکوع میں لگایا ہے۔

قومہ کا ایک ادب

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے قومہ میں کھڑے ہوئے تو اتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر کھڑے رہے کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول تو نہیں گئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع لمبا فرمایا تھا اس لئے قومہ بھی لمبا فرمایا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تشریف لے گئے۔ یہ قومہ کا ادب ہے۔

سجدہ میں جانے طریقہ

قومہ کے بعد آدمی سجدہ کرتا ہے۔ سجدہ میں جانے کا طریقہ یہ ہے آدمی سیدھا سجدے میں جائے، یعنی سجدے میں جاتے وقت کمر کو پہلے سے نہ جھکائے جب تک گھٹنے زمین پر نہ ٹکیں اس وقت تک اوپر کا بدن بالکل سیدھا رہے، البتہ جب گھٹنے زمین پر رکھدے اس کے بعد اوپر کا بدن آگے کی طرف جھکاتے ہوئے سجدے میں چلا جائے، یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پہلے سے جھک جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن فقہاء کرام نے اس طریقے کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔

سجدہ میں جانے کی ترتیب

سجدہ میں جانے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر لگنے چاہئیں، اس کے بعد ھتیلیاں، اس کے بعد ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر ٹکنی چاہئے اور اس کو آسانی سے یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو عضو زمین سے جتنا قریب ہے وہ اتنا ہی پہلے جائے گا، چنانچہ گھٹنے زمین سے زیادہ قریب ہیں اس لئے پہلے گھٹنے جائیں گے پھر ہاتھ قریب ہیں تو ہاتھ پہلے ٹکیں گے۔ اس کے بعد ناک قریب ہے اس کے بعد آخر میں پیشانی زمین پر ٹکے گی۔ سجدہ میں جانے کی یہ ترتیب ہے، اس ترتیب سے سجدے میں جائے۔

پاؤں کی انگلیاں زمین پر ٹیکنا

اور سجدہ کرتے وقت یہ سب اعضاء بھی سجدے میں جاتے ہیں، لہٰذا سجدہ دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پاؤں، ناک اور پیشانی یہ سب اعضاء سجدے میں جانے چاہئیں اور زمین پر ٹکنے چاہئیں۔ بکثرت لوگ سجدے میں پاؤں زمین پر نہیں ٹیکتے، پاؤں کی انگلیاں اوپر رہتی ہیں اگر پورے سجدے میں ایک لمحہ کے لئے بھی انگلیاں زمین پر نہ ٹکیں تو سجدہ ہی نہیں ہوگا اور نماز فاسد ہو جائے گی البتہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ''سبحان اللہ'' کہنے کے بقدر انگلیاں زمین پر ٹک گئیں تو سجدہ اور نماز ہو جائے گی، لیکن سنت کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ سنت یہ ہے کہ پورے سجدے میں دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر ٹکی ہوئیں ہوں، اور ان انگلیوں کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہونا چاہئے۔ لہٰذا اگر انگلیاں زمین پر ٹک تو

گئیں لیکن ان کا رُخ قبلہ کی طرف نہ ہوا تو بھی سنت کے خلاف ہے۔

سجدہ میں سب سے زیادہ قرب خداوندی

یہ سجدہ ایسی چیز ہے کہ اس سے زیادہ لذیذ عبادت دنیا میں کوئی اور نہیں، اور سجدہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا کوئی اور ذریعہ نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی حال میں اتنا قریب نہیں ہوتا جتنا سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کر رہا ہوتا ہے اس وقت اس کا پورا جسم پورا وجود اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا تمام اعضاء کو جھکا ہوا ہونا چاہئے اور اسی طریقے پر جھکا ہونا چاہئے جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمایا اور جس پر آپ ﷺ نے عمل فرمایا۔

خواتین بالوں کا جوڑا کھول دیں

اس لئے فرمایا گیا کہ عورتوں کے لئے بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ نماز ہو جائے گی اس لئے کہ علماء کرام نے فرمایا کہ اگر بالوں کو جوڑا بندھا ہوا ہوگا تو بال سجدے میں نہیں جائیں گے کیونکہ اس صورت میں بال اوپر کی طرف کھڑے ہوں گے، اور سجدے کی پوری کیفیت حاصل نہ ہوگی، اس لئے عورتوں کو چاہئے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے جوڑے کو کھول لیں، تاکہ بال بھی سجدے میں نیچے کی طرف گریں اوپر کی طرف کھڑے نہ رہیں اور ان کو بھی سجدے کے انوار و برکات حاصل ہو جائیں، کیونکہ سجدے کے علاوہ کسی اور حالت میں اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل نہیں

ہوتا۔

نماز مؤمن کی معراج ہے

دیکھئے ! اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا ایسا عظیم مرتبہ عطا فرمایا جو کائنات میں کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ اس مقام پر پہنچے جہاں جبرئیل امین علیہ السلام بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا قرب خاص عطا فرمایا، جس کا ہم اور آپ تصور بھی نہیں کر سکتے، معراج کے موقع پر آپ ﷺ نے زبان حال سے یہ عرض کیا کہ یا اللہ! آپ نے مجھے تو قرب کا اتنا بڑا مقام عطا فرما دیا میری امتیوں کو یہ مقام کیسے حاصل ہو؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جواب میں نماز کا تحفہ دیدیا، اور فرمایا کہ جاؤ اپنی امت سے کہنا کہ پانچ نماز پڑھا کرے اور جب نماز پڑھیگی تو اس میں سجدہ بھی کرے گی اور جب سجدہ کرے گی تو ان کو میرا قرب حاصل ہو جائے گا اسی لئے فرمایا گیا کہ:

اَلصَّلَاۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

نماز مؤمنین کی معراج ہے۔ کیونکہ ہمارے اور آپ کے بس میں یہ تو نہیں ہے کہ ساتوں آسمانوں کو عبور کر کے ملأ اعلیٰ میں پہنچ جائیں اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہر مؤمن کو یہ معراج عطا ہوگئی کہ سجدے میں جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ۔ لہٰذا یہ سجدہ معمولی چیز نہیں۔ اس لئے اس کو قدر سے کرو۔

سجدہ کی فضیلت

جس وقت تم اپنے سارے وجود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا رہے ہوتے ہو اس وقت ساری کائنات تمہارے آگے جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

سر برقدم حسن، قدم بر کلاہ و تاج

جس وقت تمہارا قدم حسن پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس وقت تمہارا پاؤں سارے کلاہ و تاج پر ہوتا ہے۔ ساری کائنات اس کے نیچے ہوتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں ؎

یہ سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ ایک سجدہ ہزار سجدوں سے نجات دیدیتا ہے، کیونکہ اگر یہ سجدہ انسان نہ کرے تو ہر جگہ سجدہ کرنا پڑتا ہے، کبھی حاکم کے سامنے، کبھی افسر کے سامنے، کبھی امیر کے سامنے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کر رہا ہے، وہ کسی اور کے آگے سجدہ نہیں کرتا۔ لہٰذا اس سجدے کو قدر اور محبت سے کرو پیار سے کرو۔

سجدہ میں کیفیت

حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، وہ عجیب شان

کے بزرگ تھے، جب واپس آنے لگے تو چپکے سے ان سے کہنے لگے:

"میاں اشرف علی! ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ جب میں سجدے میں جاتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیار کرلیا۔

بہرحال! یہ سجدہ محبت سے کرو پیار سے کرو کیونکہ یہ سجدہ تمہیں ہزار سجدوں سے نجات دے رہا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کر رہا ہے جو اور کسی ذریعے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

سجدہ میں کہنیاں کھولنا

لہٰذا جب سجدہ کرو تو اس کو صحیح طریقے سے کرو، سجدہ میں تمہارے اعضاء اسی طرح ہونے چاہئیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا کرتے تھے، وہ اس طرح کہ کہنیاں پہلو سے جدا ہوں۔ البتہ کہنیاں پہلو سے الگ ہونے کے نتیجے میں برابر والے نمازی کو تکلیف نہ ہو، بعض لوگ اپنی کہنیاں اتنی زیادہ دور کردیتے ہیں کہ دائیں بائیں والے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے یہ طریقہ بھی سنت کے خلاف ہے، جائز نہیں۔ اس لئے کہ کسی انسان کو تکلیف پہنچانا کبیرہ گناہ ہے— اور سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہے، زیادہ کی توفیق ہو تو پانچ مرتبہ، سات مرتبہ، گیارہ مرتبہ کہے، اور محبت، عظمت اور قدر سے یہ تسبیح پڑھے۔

جلسہ کی کیفیت و دعا
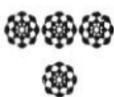
جب پہلا سجدہ کر کے آدمی بیٹھتا ہے تو اس کو جلسہ کہتے ہیں۔ جلسہ میں کچھ دیر اطمینان سے بیٹھنا چاہئے، یہ نہ کریں کہ بیٹھتے ہی فوراً دوبارہ سجدے میں چلے گئے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جلسے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً اتنی دیر بیٹھا کرتے تھے جتنی دیر سجدے میں، جتنا وقت سجدے میں گزرتا۔ تقریباً اتنا ہی وقت جلسے میں بھی گزرتا تھا، یہ سنت بھی متروک ہوتی جارہی ہے اور جلسے میں آپ سے یہ دعا پڑھنا ثابت ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاسْتُرْنِیْ
وَاجْبُرْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِی۔

لہٰذا اتنا وقت جلسے میں گزرنا چاہئے جس میں یہ دعا پڑھی جاسکے۔ اور پھر دوسرے سجدے میں جائے۔

بہرحال! یہ ایک رکعت کا بیان تکبیر تحریمہ سے لے کر سجدہ تک کا ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو باقی بیان اگلے جمعہ کو عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نماز میں آنے والے خیالات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ط

نماز میں آنے والے خیالات سے بچنے کا طریقہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔

أَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ قَدۡ اَفۡلَحَ

الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ○(سورۃ المؤمنون:۱تا۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ سورۃ مؤمنون کی ابتدائی چند آیات ہیں۔ جن کی تفسیر کا سلسلہ میں نے چند ہفتے پہلے شروع کیا تھا۔ ان آیات میں باری تعالیٰ نے مؤمنین کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں۔ جو ان کے لئے فلاح کا سبب ہیں اور ''فلاح'' ایسا جامع لفظ ہے جس میں دین اور دنیا دونوں کی کامیابی آجاتی ہے۔ فلاح یافتہ مؤمنو کا پہلا وصف یہ بیان فرمایا:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○

یعنی وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل پچھلے بیانات میں عرض کر چکا ہوں۔

خشوع کے تین درجے

گزشتہ جمعہ کو عرض کیا تھا کہ ''خشوع'' حاصل کرنے کے تین درجے اور تین سیڑھیاں ہیں، پہلی سیڑھی یہ ہے کہ جو الفاظ زبان سے ادا کر رہے ہو ان الفاظ کی طرف توجہ ہو، دوسری سیڑھی یہ ہے کہ ان الفاظ کے معانی کی طرف توجہ ہو، تیسری سیڑھی یہ ہے کہ انسان نماز اس دھیان کے ساتھ پڑھے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ تصور باندھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں —— ان آیات میں یہ جو فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ اس سے اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ صرف نماز پڑھنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ نماز پڑھنے کے اندر خشوع پیدا کرنے کی بھی کوشش کرو۔

خیالات آنے کی شکایت

اکثر لوگ بکثرت یہ شکایت کرتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو مجھے خیالات بکثرت آتے ہیں۔ بھائی! ان خیالات کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس صورت حال کا مداوا کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے، پریشان ہونے سے کوئی کام نہیں بنتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جو تکلیف اور نفس ہے اس کو دور کرنے کے راستے اختیار کئے جائیں۔ ان تکلیف اور نفس کو دور کرنے کے راستے کیا ہیں؟

نماز کے مقدمات

پہلا راستہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے نماز سے پہلے کئی مقدمات قائم کئے ہیں۔ یعنی نماز تو اصل مقصود ہے۔ لیکن اس نماز سے پہلے ایسے مقدمات اور کچھ ایسی تمہیدات رکھی ہیں جن کے واسطے سے انسان اصل نماز تک پہنچتا ہے۔ وہ سب مقدمات اور تمہیدی کام ہیں، اگر ان کو انسان ٹھیک ٹھیک انجام دیدے تو اس کی وجہ سے خیالات میں کمی آئے گی۔

نماز کا پہلا مقدمہ ''طہارت''

نماز کے مقدمات میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ''طہارت'' رکھی ہے کیونکہ ہر نماز کے لئے طہارت اور پاکی حاصل کرنا ضروری ہے، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مفتاح الصلاۃ الطھور۔

یعنی نماز کی کنجی طہارت ہے۔ دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاتقبل الصلاۃ بغیر طھور۔

یعنی کوئی نماز طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں۔

طہارت کی ابتداء استنجاء سے

طہارت کا سلسلہ ''استنجاء'' سے شروع ہوتا ہے اور استنجاء کرنے کو واجب قرار دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ انسان استنجاء کے وقت طہارت حاصل کرنے کا اچھی طرح اطمینان حاصل کرے اور اگر پیشاب کے بعد قطرے آنے کا خطرہ ہو تو اس وقت تک انسان فارغ نہ ہو جب تک قطرہ آنے کا خطرہ ہو، فقہ کی اصطلاح میں اس کو ''استبراء'' کہا جاتا ہے کیونکہ اگر پاکی صحیح نہیں ہوئی اور کپڑوں پر یا جسم پر نجاست کے اثرات باقی رہ گئے تو اس کے نتیجے میں انسان کے خیالات مشوش ہوتے ہیں۔

ناپاکی خیالات کا سبب ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے کچھ خواص بنائے ہیں ناپاکی کا ایک خاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں ناپاک اور گندے خیالات اور شیطانی وساوس پیدا کرتا ہے، لہٰذا نماز کا سب سے پہلا تمہیدی کام یہ ہے کہ ناپاکی کی دور کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

نماز کا دوسرا مقدمہ ''وضو''

اس کے بعد دوسرا تمہیدی کام ''وضو'' رکھا ہے، یہ وضو بھی بڑی عجیب و غریب چیز ہے، حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان وضو کرتا ہے اور وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے نتیجے میں

آنکھوں سے کئے ہوئے تمام صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ دھو دیتے ہیں، اسی طرح جس وقت انسان ہاتھ دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے کئے ہوئے صغیرہ گناہ دھو دیتے ہیں اور جس وقت وہ پاؤں دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاؤں سے کئے ہوئے گناہ معاف فرما دیتے ہیں —— اور جو چار اعضاء وضوء میں دھوئے جاتے ہیں عام طور پر یہی چار اعضاء انسان کو گناہ کی طرف لے جاتے ہیں انہی اعضاء کے ذریعہ گناہ سرزد ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ جب بندہ نماز کے لئے میرے دربار میں حاضر ہو تو اس سے پہلے وہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہو، اس کے ہاتھ، اس کا چہرہ، اس کا پاؤں گناہوں سے پاک ہو گیا ہو۔ البتہ گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

وضو سے گناہ دھل جانا

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب کوئی وضو کر رہا ہوتا تھا تو اس کے وضو کے بہتے ہوئے پانی میں آپ کو گناہوں کی شکلیں نظر آتی تھیں کہ فلاں گناہ دھل کر جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کشف عطا فرمایا تھا —— بہرحال! اللہ تعالیٰ نے نماز سے پہلے وضو اس لئے رکھا ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ ظاہری صفائی حاصل ہو، بلکہ باطنی صفائی اور گناہوں کی صفائی بھی حاصل ہو جائے۔

کونسے وضو سے گناہ دھل جاتے ہیں

لیکن وضو سے یہ فائدہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی سنت کے مطابق وضو کرے اور اس طرح وضو کرے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب وضو فرماتے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے وضو فرماتے، یہ وضو کے آداب میں سے ہے، اسی طرح وضو شروع کرتے وقت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا کرتے تھے اور وضو کے دوران باتیں نہیں کرتے تھے وضو کی طرف دھیان فرماتے۔

وضو کی طرف دھیان

وضو کی طرف دھیان ہونے میں سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ جب آدمی اپنا چہرہ دھوئے تو اس طرف دھیان کرے کہ میرے چہرے کے گناہ دھل رہے ہیں۔ جب آدمی ہاتھ دھوئے تو یہ دھیان کرے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو میں ہاتھ دھوتے وقت ہاتھ کے گناہ معاف ہوتے ہیں تو اس وقت میرے ہاتھ کے گناہ دھل رہے ہیں۔ اسی طرح پانی استعمال کرنے میں اسراف نہ کرے، فضول پانی نہ بہائے۔ جتنے پانی کی ضرورت ہے۔ بس اتنے پانی سے وضو کرے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إياک والسرف وان کنت علی نهر جار

یعنی پانی کو فضول بہانے سے بچو۔ چاہے تم کسی بہتے دریا پر کیوں نہ کھڑے ہو؟ اگر پانی کا دریا بہہ رہا ہے تم اس دریا سے جتنے پانی سے بھی وضو کرو گے تو اس کے نتیجے میں دریا کے پانی میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اس کے باوجود فرمایا کہ اس موقع پر اسراف سے بچو اور فضول پانی مت بہاؤ۔

وضو کے دوران دعائیں

اور وضو کے دوران دعائیں کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ایک آپ ﷺ کثرت سے:

اشهد ان لا اله اِلا اللّٰه وأشهد ان محمدًا عبده و رسوله۔

پڑھا کرتے تھے، اور دوسری یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِی ذَنْبِی وَ وَسِّعْ لِی فِی دَارِیُ وَبَارِكْ لِیُ فِیُ رِزْقِیُ۔

اور وضو کے بعد آپ ﷺ یہ پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔

اگر آدمی ان آداب کے ساتھ وضو کرے تو ایسے وضو کا خاصہ یہ ہے کہ وہ طرح

طرح کے خیالات جو آپ کے دل و دماغ میں بسے ہوئے ہیں۔ ان سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف دماغ کو متوجہ کر دیتا ہے۔

وضو میں بات چیت کرنا

لیکن ہماری غلطی سب سے پہلے وضو سے شروع ہوتی ہے، جب ہم وضو کرنے بیٹھے تو دنیا کے سارے خرافات وضو کے دوران چلتے رہتے ہیں۔ بات چیت ہو رہی ہے، گپ شپ ہو رہی ہے۔ ہواس باختہ حالت میں وضو کر رہے ہیں، بس جلد جلد اپنا فرض ساقط کیا، اور فارغ ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس وضو کے فوائد و ثمرات حاصل نہیں ہوتے، اس کے بجائے اگر دھیان کے ساتھ اور آداب کے ساتھ وضو کرے اور وضو کے دوران دعائیں پڑھتا رہے یہ اس سے نماز کی پہلی تمہید اور پہلا مقدمہ درست ہو جائیگا۔

نماز کا تیسرا مقدمہ "تحیۃ الوضو والمسجد"

نماز کا تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب وضو کر کے مسجد میں آؤ تو مسجد میں جماعت سے کچھ دیر پہلے پہنچ جاؤ اور تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کی نیت سے دو رکعت ادا کرو، یہ دو رکعت واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہیں۔ لیکن بڑی فضیلت والی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال: جب میں معراج پر گیا، اور وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت کی سیر کرائی تو میں نے تمہارے قدموں

کی چاپ اپنے سے آگے سنی، جیسے کوئی بادشاہ سے آگے کوئی باڈی گارڈ چلا کرتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا کونسا عمل ہے جو تم خاص طور پر کرتے ہو، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام بخشا کہ جنت میں تمہیں میرا باڈی گارڈ بنا دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور کوئی عمل تو مجھے یاد نہیں آ رہا ہے البتہ ایک بات ہے وہ یہ ہے کہ جب سے اسلام لایا ہوں اس وقت سے میں نے یہ تہیہ کیا تھا کہ جب بھی وضو کروں گا تو دو رکعت اس وضو سے ضرور ادا کروں گا۔ چنانچہ جب سے اسلام لایا ہوں جب بھی وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نفل تحیۃ الوضوء ضرور ادا کرتا ہوں۔ چاہے نماز کا وقت ہو یا نہ ہو۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وہ عمل ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام عطا فرمایا۔

تحیۃ المسجد کس وقت پڑھے

بہرحال! ہر وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے میں دو منٹ خرچ ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے اتنی بڑی فضیلت عطا فرمائی اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، البتہ اگر آدمی بھول کر بیٹھ گیا اور بعد میں یاد آیا تو اس وقت پڑھ لے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھ لے۔ یہ نماز کی تیسری تمہید ہے۔

نماز کا چوتھا مقامہ: قبلیہ سنتیں

نماز کا چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز سے پہلے کچھ رکعتیں سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ رکھی گئی ہیں۔ مثلاً فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور عصر سے پہلے اور عشاء سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ رکھی گئی ہیں۔ مغرب کی نماز کو چونکہ جلدی پڑھنے کا حکم ہے اس لئے مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کی اتنی فضیلت نہیں ہے۔ لیکن بعض روایات میں اس وقت بھی دو رکعتیں ثابت ہیں۔ لہٰذا فرض نماز سے پہلے جو نمازیں پڑھی جارہی ہیں وہ تیسری تمہید ہیں۔

چاروں مقدمات پر علم کے بعد خشوع کا حصول

ان چاروں مقدمات سے گزرنے کے بعد جب فرض نماز میں شامل ہوگا تو اس کو وہ شکایت پیش نہیں آئے گی جو عام طور پر لوگوں کو پیش آتی ہے کہ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمارا دل کہیں ہوتا ہے اور دماغ کہیں ہوتا ہے اور حواس باختہ حالت میں نماز ادا ہوتی ہے —— اذان اور فرض نماز کے درمیان جو پندرہ منٹ یا زیادہ کا وقفہ رکھا جاتا ہے یہ وقفہ اس لئے رکھا جاتا ہے تاکہ اس وقفہ کے دوران انسان یہ تمہیدات پوری کرے، یعنی اطمینان سے وضو کرے، پھر تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد اطمینان سے ادا کرے اور پھر سنتیں ادا کرے۔ ان سب تمہیدات کے بعد جب فرض نماز کے لئے کھڑا ہوگا تو انشاء

اللہ تعالیٰ خشوع، یکسوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ حاصل ہوگی۔ ان تمہیدات میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی وجہ سے ہماری نمازیں درست ہو جائیں گی اور اس کے نتیجے میں صلاح فلاح حاصل ہو جائے گی۔

خیالات کی پرواہ مت کرو

اس کے بعد یہ بھی عرض کردوں کہ ان تمہیدات کو انجام دینے کے بعد پھر بھی فرض نماز میں خیالات آتے ہیں تو اس صورت میں بالکل گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر وہ خیالات غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہیں۔ بعض لوگ ان خیالات کی وجہ سے اس نماز کی ناقدری کرنا شروع کر دیتے ہیں، چنانچہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری نماز کیا ہے؟ ہم تو ٹکریں مارتے ہیں، بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری نماز بالکل بیکار ہے۔ اس لئے کہ اس میں تو خیالات بہت آتے ہیں اور خشوع بالکل نہیں ہوتا۔

ان سجدوں کی قدر کرو

یاد رکھئے! یہ سب ناقدری کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں پسند نہیں ارے یہ تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نماز پڑھنے کی توفیق تو ہوئی، بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہونے کی توفیق تو ملی، پہلے اس توفیق اور نعمت پر شکر ادا کرو کہ ان کے دربار میں آکر نماز ادا کرلی نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں، اگر ہم بھی محروم ہوگئے ہوتے تو کتنی بڑی محرومی کی

بات ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے حاضری کی جو توفیق عطا فرما دی یہ کوئی معمولی نعمت نہیں۔

قبول ہو کہ نہ ہو پھر بھی ایک نعمت ہے
وہ سجدہ جس کو تیرے آستاں سے نسبت ہے

تیرے آستانے پر سر ٹیکنے کا ایک ظاہری موقع جو مل گیا یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، لہٰذا اس پر شکر ادا کرو —— البتہ اپنی طرف سے جو کوتاہی ہوئی ہے اور خشوع حاصل نہیں ہوا، خیالات آتے رہے اس پر استغفار کرو۔

نماز کے بعد کے کلمات

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان ہر فرض نماز کے بعد دو کام کرلے۔ ایک یہ کہ ''الحمدللہ'' کہے اور دوسرے ''استغفراللہ'' کہے۔ الحمدللہ کے ذریعہ اس بات پر شکر کہ یا اللہ! آپ نے اپنے دربار میں حاضری کی اور نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما دی۔ اور ''استغفراللہ'' اس بات پر کہ یا اللہ! آپ نے توفیق عطا فرما دی تھی، لیکن میں اس نماز کا حق ادا نہیں کرسکا اور جیسی نماز پڑھنی چاہئے تھی ویسی نماز نہ پڑھ سکا میں اس پر استغفار کرتا ہوں —— حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ ''استغفراللہ، استغفراللہ، استغفراللہ، پڑھا کرتے تھے حالانکہ نماز پڑھی ہے، کوئی گناہ نہیں کیا۔ لیکن اس بات پر استغفار کیا کرتے تھے کہ یا اللہ جیسی نماز آپ کی شایان شان پڑھنی چاہئے تھی ویسی نماز ہم نہیں

پڑھ سکے۔ اس وجہ سے استغفار کر رہے ہیں۔

خلاصہ

بہر حال! اس نماز کی ناقدری بھی نہ کرو اور خود پسندی اور عجب میں بھی مبتلا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو توفیق دی ہے اس پر شکر ادا کرو، اور جو کوتاہی ہوئی ہے اس پر استغفار کرو اور اپنی طاقت کی حد تک اس نماز کو بہتر سے بہتر بنانے کی فکر جاری رکھو، اور ساری عمر ایسا کرتے ہو تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمالیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خشوع کے تین درجات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

خشوع کے تین درجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ

حٰفِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَا جِهِمْ اَوْمَامَلَکَتْ
اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ
ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (سورۃ المؤمنون: ۱ تا ۷)
آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من
الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

گزشتہ سے پیوستہ جمعہ کو میں نے اس آیت کی تفسیر میں عرض کیا تھا کہ نماز میں خضوع بھی مطلوب ہے اور خشوع بھی مطلوب ہے۔ خضوع کا تعلق انسان کے ظاہری اعضاء سے ہے اور خشوع کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ خضوع کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اعضاء اس طرح ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اس سلسلے میں میں نے نماز کے مختلف ارکان کی ہیئت آپ حضرات کے سامنے بیان کی تھی۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا طریقہ، کھڑے ہونے کا طریقہ، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ کا طریقہ عرض کر دیا تھا۔ اب دو تین باتیں اس سلسلے میں باقی ہیں اس کے بعد ''خشوع'' کا مطلب اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ عرض کرنا ہے۔

رکوع اور سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں

ایک بات یہ ہے کہ جب آدمی رکوع میں ہو تو ہاتھ کی انگلیاں کھلی ہونی

چاہئیں، اور گھٹنوں کو انگلیوں سے پکڑ لینا چاہئے اور سجدہ کی حالت میں مسنون یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں بند ہوں اور ہاتھ اس طرح رکھے جائیں کہ چہرہ ہاتھوں کے درمیان آ جائے اور ھتیلیاں کندھوں کے قریب ہوں انگوٹھے کانوں کی لو کے سامنے ہوں اور کہنیاں پہلو سے علیحدہ ہوں، ملی ہوئی نہ ہوں۔

التحیات میں بیٹھنے کا طریقہ

جب آدمی التحیات میں بیٹھے تو التحیات میں بیٹھتے وقت دایاں پاؤں کھڑا ہو اور اس پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف ہو، اور بایاں پاؤں بچھا کر آدمی اس کے اوپر بیٹھ جائے۔ اور ہاتھ کی انگلیاں رانوں پر اس طرح رکھی ہوئی ہوں کہ انکا آخری سرا گھٹنوں پر آ رہا ہو۔ انگلیوں کو گھٹنوں سے نیچے لٹکانا اچھا نہیں ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

اور جب سلام پھیرے تو سلام پھیرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب دائیں طرف سلام پھیرے تو پوری گردن دائیں طرف موڑلی جائے اور اپنے کندھوں کی طرف نظر کی جائے اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت پوری گردن بائیں طرف پھیر دی جائے اور بائیں کندھوں کی طرف نظر کی جائے۔ یہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ اگر ان باتوں کا خیال کرلیا جائے تو نماز سنت کے مطابق ہو جاتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور اس کے ذریعہ نماز کے

اندر خشوع حاصل ہونے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اور ان باتوں میں نہ زیادہ وقت لگتا ہے نہ زیادہ محنت صرف ہوتی ہے، نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے نتیجے میں نماز سنت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

خشوع کی حقیقت

دوسری چیز جس کا آج بیان کرنا ہے وہ ہے، ''خشوع'' اس کے معنی ہیں دل کا اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا، یعنی انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس کو اس بات کا احساس ہو کہ میں اللہ جل شانہ کے سامنے کھڑا ہوں۔ اس کا اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔ (بخاری - باب بدء الوحی)

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ سامنے نظر آ رہے ہوں اور اگر یہ تصور جمانا ممکن نہ ہو تو پھر کم از کم یہ تصور جماؤ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ خشوع کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

وجود کے یقین کیلئے نظر آنا ضروری نہیں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے ہیں، اور نہ ہم یہ

بات دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، آنکھوں سے یہ بات نظر نہیں آرہی ہے، لہٰذا ان باتوں کا تصور کیسے باندھیں؟ —— اس کا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز آنکھوں سے دیکھ کر معلوم نہیں ہوتی، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو انسان آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا ہے۔ لیکن دل میں اس کے موجود ہونے کا اتنا یقین ہوتا ہے جیسے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ مثلاً یہ میری آواز لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مسجد سے باہر بھی جاری ہے۔ اب جو لوگ مسجد سے باہر ہیں وہ مجھے نہیں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن میری آواز سن کر ان کو اس بات کا یقین حاصل ہے کہ میں مسجد کے اندر موجود ہوں اور ان کو اتنا ہی یقین حاصل ہے جتنا آنکھ سے دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی آدمی کے موجود ہونے کا علم دیکھے بغیر صرف آواز سن کر ہو رہا ہے۔ کوئی شخص اگر کہے کہ تم نے بولنے والے کو آنکھ سے دیکھا نہیں ہے پھر تمہیں اس کے موجود ہونے کا یقین کیوں ہو رہا ہے۔ وہ یہ جواب دے گا کہ میں اپنے کانوں سے اس کی آواز سن رہا ہوں، جس سے پتہ چل رہا ہے کہ وہ آدمی موجود ہے۔

ہوائی جہاز میں انسان موجود ہیں

آپ صبح شام ہوائی جہاز اڑتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس جہاز میں بیٹھا ہوا کوئی آدمی نظر نہیں آتا، نہ چلانے والا نظر آرہا ہے، لیکن آپ کو سو فیصد یقین ہے کہ اس جہاز میں آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی پائلٹ اس جہاز کو چلا رہا ہے حالانکہ اس پائلٹ اور اس کے اندر بیٹھنے والوں انسانوں کو آپ نے آنکھوں

سے نہیں دیکھا، کیونکہ جہاز بغیر پائلٹ کے نہیں چلتا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ جہاز چل رہا ہو اور اس کے اندر پائلٹ موجود نہ ہو، اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ یہ جہاز بغیر پائلٹ کے خود بخود ہوا میں اڑتا جا رہا ہے تو آپ اس کو بیوقوف اور احمق قرار دیں گے۔

روشنی سورج پر دلالت کرتی ہے

مسجد کے اندر باہر سے روشنی آ رہی ہے اور سورج نظر نہیں آ رہا ہے، لیکن ہر انسان کو سو فیصد یقین ہے کہ اس روشنی کے پیچھے سورج موجود ہے، حالانکہ سورج آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا ہے لہٰذا جس طرح روشنی کو دیکھ کر سورج کا پتہ لگا لیتے ہو اور جس طرح ہوائی جہاز کو دیکھ کر اس کے چلانے والے کا پتہ لگاتے ہو۔ اسی طرح یہ سارا عالم جو پھیلا ہوا ہے، یہ پہاڑ یہ جنگل، یہ ہوائیں، یہ پانی یہ سمندر، یہ دریا، یہ مٹی، یہ آب و ہوا، یہ سب کچھ کسی بنانے والے پر دلالت کر رہا ہے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کر رہی ہے

لہٰذا جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوا ہو تو اس وقت اس بات کا تصور کرے کہ میرے سامنے جتنی چیزیں ہیں وہ سب اللہ جل شانہ کی ذات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ یہ روشنی جو نظر آ رہی ہے اس کے پیچھے سورج ہے، لیکن سورج کے پیچھے کون ہے؟ سورج کس نے پیدا کیا؟ اور اس کے اندر روشنی

کس نے رکھی؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور وجود پر دلالت کر رہی ہے۔ لہٰذا نماز کے اندر آدمی یہ تصور باندھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں، اور اللہ جل جلالہ مجھے دیکھ رہے ہیں اور اللہ جل جلالہ کے میرے سامنے ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، یہ تصور جما کر نماز پڑھ کر دیکھو کہ کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ کیفیت عطا فرمادے۔ آمین۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح نماز پڑھو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

الفاظ کی طرف دھیان پہلی سیڑھی

یہ نماز پڑھنے کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اس اعلیٰ درجے تک پہنچنے کے لئے کچھ ابتدائی سیڑھیاں ہیں، ان سیڑھیوں کو اگر آدمی رفتہ رفتہ قطع کرتا جائے تو اللہ تعالیٰ اس اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتے ہیں، وہ سیڑھی کیا ہے؟ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ آپ نماز میں جو الفاظ زبان سے نکالیں ان کی طرف دھیان رہے۔ مثلاً آپ نے زبان سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" ادا کریں۔ اس وقت آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" ادا کر رہا ہوں۔ لیکن آج کل ہماری نماز کے اندر یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جس وقت "اللّٰہ اکبر" کہہ کر نیت باندھی تو بس ایک سوئچ آن ہوگیا اور مشین چل پڑی چونکہ نماز پڑھنے کی

عادت پڑی ہوئی ہے، اس لئے زبان سے الفاظ خود بخود نکلنے لگے، اور مشین چل رہی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ میں نے پہلی رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی اور دوسری رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی یہ صورت حال اکثر و بیشتر پیش آتی ہے۔

خشوع کی پہلی سیڑھی

اگر خشوع حاصل کرنا ہے تو پہلا کام یہ کرو کہ جب نماز پڑھنا شروع کرو تو زبان سے جو الفاظ ادا کر رہے ہو دھیان اس کی طرف ہو--- انسان کی خاصیت یہ ہے کہ ایک غیر مرئی چیز جو آنکھوں سے نظر نہیں آرہی ہے اس کی طرف دھیان جمانا شروع میں دشوار ہوتا ہے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خشوع حاصل کرنے کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ ان الفاظ کی طرف دھیان جماؤ۔

معنی کی طرف دھیان دوسری سیڑھی

دوسری سیڑھی یہ ہے کہ ان الفاظ کے معنی کی طرف دھیان کرو، جس وقت زبان سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" ادا کیا تو اس کے معنی کی طرف دھیان کرو کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے اور ان الفاظ کے ذریعہ میں اللہ جل شانہ کی تعریف کر رہا ہوں۔ جب "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" ادا کرو تو اس وقت دل میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا تصور دل میں

ہو کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں۔ جس وقت ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' ادا کرو اس وقت یہ دھیان کرو کہ میں اللہ جل شانہ کو قیامت کے دن کا مالک قرار دے رہا ہوں۔ جس وقت ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' زبان سے ادا کرو اس وقت اس کے معنی کو ذہن میں لائے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اور جس وقت ''اِهْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کہا اس وقت یہ معنی ذہن میں مستحضر کرے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوں کہ اے اللہ! مجھے صراط مستقیم عطا فرما دے، جس وقت ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ'' کہے اس وقت یہ معنی ذہن میں لائے کہ اے اللہ! مجھے ان لوگوں کا راستہ دکھا دے جن پر آپ نے انعام فرمایا، اور ان لوگوں کا راستہ مجھے نہیں چاہئے جن پر آپ کا غضب ہوا۔ اور جو گمراہ ہوئے۔

لہٰذا پہلے الفاظ کی طرف دھیان کرے، پھر معنی کی طرف دھیان کرے، بہرحال! اپنی طرف سے نماز کے اندر اس بات کی کوشش کی جائے کہ دھیان ان چیزوں کی طرف رہے۔ جب ان چیزوں کی طرف دھیان رہیگا تو پھر جو ادھر ادھر کے خیالات آتے ہیں وہ انشاء اللہ ختم ہو جائیں گے۔

نماز میں خیالات آنے کی بڑی وجہ

پھر یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ جو دوسرے خیالات آتے ہیں اس کی بہت بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ہم وضو ڈھنگ سے نہیں کرتے، سنت کے مطابق

نہیں کرتے، حواس باختہ حالت میں ادھر ادھر باتیں کرتے ہوئے وضو کرلیا۔ حالانکہ وضو کے آداب میں سے یہ ہے کہ وضو کے دوران باتیں نہ کی جائیں۔ بلکہ وضو کے دوران وہ دعائیں پڑھی جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور آدمی اطمینان سے وضو کر کے ایسے وقت میں مسجد میں آئے جبکہ نماز کھڑی ہونے میں کچھ وقت ہو اور مسجد میں آکر آدمی پہلے سنت اور نفل ادا کرلے کیونکہ یہ سنت اور نفل جو نماز سے پہلے رکھی گئی ہیں یہ درحقیقت فرض نماز کی تمہید ہیں تاکہ فرض نماز سے پہلے ہی اس کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے اور اِدھر اُدھر کے خیالات آنا بند ہو جائیں۔ ان سب آداب کا لحاظ کر کے جب آدمی نماز پڑھے گا تو پھر دوسرے خیالات نہیں آئیں گے۔

اگر دھیان بھٹک جائے واپس آجاؤ

لیکن انسان کا دماغ چونکہ بھٹکتا رہتا ہے اس لئے ان تدابیر کے اختیار کرنے کے باوجود غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں، جب دوبارہ تنبہ ہو جائے تو پھر دوبارہ ان الفاظ کی طرف دھیان لے آئیں۔ مثلاً جس وقت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' پڑھا اس وقت تک دھیان حاضر تھا، لیکن جب ''مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' پڑھا اس وقت دھیان غیر اختیاری طور پر کہیں اور بھٹک گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن جب ''اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' کہا اس وقت خیال آیا کہ میں تو کہیں اور بھٹک گیا تھا۔ تو اب دوبارہ دھیان کو واپس

لے آؤ۔ اسی طرح جتنی مرتبہ دھیان بھٹکے واپس آجاؤ۔ یہی کام کرتے چلے جاؤ۔

خشوع حاصل کرنے کیلئے مشق اور محنت

یاد رکھئے اس دنیا کے اندر کوئی بھی مقصد بغیر محنت اور مشق کے حاصل نہیں ہوسکتا، جو کام بھی کرنا ہو اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح خشوع حاصل کرنے کے لئے کچھ محنت اور مشق کرنی پڑتی ہے۔ وہ مشق یہ ہے کہ انسان یہ ارادہ کرلے کہ جب نماز پڑھیں گے تو اپنا دھیان ان الفاظ کی طرف رکھیں گے جو الفاظ زبان سے ادا کر رہے ہیں اور اگر ذہن بھٹکے گا تو دوبارہ ان الفاظ کی طرف واپس آجائیں گے، پھر بھٹکے گا تو پھر واپس آجائیں گے۔ جتنی مرتبہ بھٹکے گا اتنی مرتبہ واپس آئیں گے، جب اس پر عمل کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج اگر ذہن دس مرتبہ بھٹکا تھا تو آئندہ کل انشاء آٹھ مرتبہ بھٹکے گا۔ اگلے دن انشاء اللہ چھے مرتبہ بھٹکے گا۔ اس طرح یہ تناسب انشاء اللہ کم ہوتا چلا جائے گا بس انسان یہ سوچ کر چھوڑے نہیں کہ یہ کام میرے بس سے باہر ہے اور میری کوشش کرنا فضول ہے بلکہ لگا رہے کوشش کرتا رہے ساری عمر کوشش کرتا رہے چھوڑے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ایک دن ایسا وقت آئے گا جب تمہارا زیادہ ذہن نماز ہی کی طرف اور الفاظ کی طرف ہوگا۔

تیسری سیڑھی اللہ تعالیٰ کا دھیان

جب یہ بات حاصل ہو جائے تو اس کے بعد تیسری سیڑھی پر قدم رکھنا
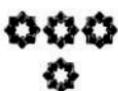
ہے وہ تیسری سیڑھی یہ ہے کہ نماز کے اندر اس بات کا دھیان ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں، اور جب یہ دھیان حاصل ہو جائے گا تو بس مقصد حاصل ہے انشاء اللہ -- یہ ہے خلاصہ خشوع حاصل کرنے کا جس کی طرف قرآن کریم نے اس آیت میں ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلاَتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○

یعنی وہ مؤمن جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، وہ فلاح یافتہ ہیں۔ ہم نے ان کو دنیا و آخرت میں فلاح دیدی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری نمازوں میں خشوع پیدا فرما دے، اور اللہ تعالیٰ ہمارے دھیان کو مجتمع فرما دے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم ؕ

بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دو

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِيۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَأَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَأَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا ۔

أَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلاَتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ

حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَا جِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ○فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ○(سورۃ المؤمنون:۱تا۷)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

گزشتہ چند جمعوں سے سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان چل رہا ہے۔ ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کی ان صفات کو بیان کیا ہے جو ان کی دنیا وآخرت کی فلاح اور کامیابی کی موجب ہیں، لہٰذا اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہو تو ان کے لئے ان صفات کا اہتمام کرنا ضروری ہے جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے پہلی صفت جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ ''نماز میں خشوع اختیار کرنا'' ہے، اس کا مفصّل بیان الحمدللہ ہو چکا ہے۔

مؤمنوں کی دوسری صفت

دوسری صفت یا دوسرا عمل جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے وہ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○

یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو لغو سے اعراض کرتے ہیں اور کنارہ کشی اختیار

کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے ساتھ بیہودہ گفتگو کرے یا بیہودہ معاملہ کرے تو اس کا جواب ترکی بہ ترکی دینے کے بجائے اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو لغو باتوں سے اور لغو افعال سے بچاتے ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا۔ ایسی بزرگ ہستی کہ ماضی قریب میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، شاہی خاندان کے شہزادے تھے، اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے نکل پڑے اور قربانیاں دیں۔ ایک مرتبہ دھلی کی جامع مسجد میں خطاب فرما رہے تھے، خطاب کے دوران بھرے مجمع میں ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا (العیاذ باللہ) ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ اتنے بڑے عالم اور شہزادے کو ایک بڑے مجمع میں یہ گالی دی اور وہ مجمع بھی معتقدین کا تھا۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم جیسا کوئی آدمی ہوتا تو اس کو سزا دیتا، اگر وہ سزا نہ بھی دیتا تو اس کے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کر دیتے، ورنہ کم از کم اس کو ترکی بہ ترکی یہ جواب تو دے ہی دیتے کہ تو حرام زادہ، تیرا باپ حرام زادہ، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو پیغمبرانہ دعوت کے حامل تھے، جواب میں فرمایا:

آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے

گواہ تو آج بھی دِلّی میں موجود ہیں۔

اس گالی کو ایک مسئلہ بنا دیا لیکن گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا۔

ترکی بہ ترکی جواب مت دو

لہٰذا طعنہ کا جواب طعنہ سے نہ دیا جائے۔ اگرچہ شرعاً تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ جیسی دوسرے شخص نے تمہیں گالی دی ہے، تم بھی ویسی ہی گالی اس کو دیدو، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین انتقام کا یہ حق استعمال نہیں کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی یہ حق کبھی استعمال نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ معاف کر دینے اور درگزر کر دینے کا شیوہ رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے وارثین کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔

انتقام کے بجائے معاف کردو

ارے بھائی! اگر کسی نے تمہیں گالی دیدی تو تمہارا کیا بگڑا؟ تمہاری کونسی آخرت خراب ہوئی؟ بلکہ تمہارے تو درجات میں اضافہ ہوا، اگر تم انتقام نہیں لو گے بلکہ درگزر کردو گے اور معاف کر دو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں معاف کر دیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کی غلطی کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن معاف فرمائیں گے جس دن وہ معافی کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا یعنی قیامت کے دن۔ لہٰذا انتقام لینے کی فکر چھوڑ دو، معاف کردو اور درگزر کردو۔

بزرگوں کی مختلف شانیں

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ اولیاء کرام کی شانیں عجیب وغریب ہوتی ہیں، کسی کا کوئی رنگ ہے، کسی کا کوئی رنگ ہے اور کسی کی کوئی شان ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ ان اولیاء کرام کی مختلف شانیں دیکھوں کہ وہ کیا شانیں ہوتی ہیں۔ ان بزرگ نے ان سے فرمایا کہ تم کس چکر میں پڑ گئے، اولیاء اور بزرگوں کی شانیں دیکھنے کی فکر میں مت پڑو بلکہ اپنے کام میں لگو۔ ان صاحب نے اصرار کیا کہ نہیں! میں ذرا دیکھنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کیسے کیسے بزرگ ہوتے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ دہلی کی فلاں مسجد میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں تین بزرگ اپنے ذکر واذکار میں مشغول نظر آئیں گے، تم جاکر ہر ایک کی پشت پر ایک مکہ مار دینا، پھر دیکھنا کہ اولیاء کرام کی شانیں کیا ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب گئے، وہاں جاکر دیکھا تو واقعۃً تین بزرگ بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہیں، انہوں نے جاکر پہلے بزرگ کو پیچھے سے ایک مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں بلکہ اپنے ذکر واذکار میں مشغول رہے۔ جب دوسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے بھی پلٹ کر ان کو مکہ مار دیا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ جب تیسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر ان کا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا کہ آپ کو چوٹ تو نہیں لگی۔

اس کے بعد یہ صاحب ان بزرگ کے پاس واپس آئے جنہوں نے ان کو بھیجا تھا۔ ان بزرگ نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ

بڑا عجیب قصہ ہوا، جب میں نے پہلے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا بھی نہیں اور جب دوسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے بھی پلٹ کر مجھے مکہ مار دیا، اور جب تیسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر میرا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جنہوں نے تمہیں مکہ مارا تھا انہوں نے زبان سے کچھ کہا تھا؟ ان صاحب نے بتایا کہ زبان سے تو کچھ نہیں کہا، بس مکہ مارا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

میں اپنا وقت بدلہ لینے میں کیوں ضائع کروں

ان بزرگ نے فرمایا کہ اب سنو! پہلے بزرگ جنہوں نے بدلہ نہیں لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ میں اپنا وقت بدلہ لینے میں کیوں ضائع کروں، اگر اس نے مجھے مکہ مارا تو میرا کیا بگڑ گیا، اب میں پیچھے مڑوں، اور یہ دیکھوں کہ کس نے مارا ہے اور پھر اس کا بدلہ لوں، جتنا وقت اس میں صرف ہو گا وہ وقت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کیوں نہ صرف کر دوں۔

پہلے بزرگ کی مثال

ان پہلے بزرگ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ نے بلایا اور اس سے کہا کہ تم میرے پاس آؤ، میں تمہیں ایک عالیشان انعام دوں گا۔ اب وہ شخص اس انعام کے شوق میں دوڑتا ہوا بادشاہ کے محل کی طرف جا رہا ہے، وقت کم رہ گیا ہے اور اس کو وقت پر پہنچنا ہے، راستے میں ایک شخص نے اس کو

مکہ مار دیا، اب یہ شخص اس مکہ مارنے والے سے الجھے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا کہ میں جلد از جلد کسی طرح بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں؟ ظاہر ہے کہ اس مکہ مارنے والے سے نہیں الجھے گا بلکہ وہ تو اس فکر میں رہے گا کہ میں کسی طرح جلد از جلد بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں اور جا کر اس سے انعام وصول کروں۔ اسی طرح یہ بزرگ اس مکہ مارنے والے سے نہیں اُلجھے بلکہ اپنے ذکر میں مشغول رہے۔ تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

دوسرے بزرگ کا انداز

دوسرے بزرگ جنہوں نے بدلہ لے لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ جتنی زیادتی کوئی شخص تمہارے ساتھ کرے، اتنی زیادتی تم بھی اس کے ساتھ کر سکتے ہو، اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔ اب تم نے ان کو ایک مکہ مارا تو انہوں نے بھی تمہیں ایک مکہ مار دیا، تم نے زبان سے کچھ نہیں کہا تو انہوں نے بھی زبان سے کچھ نہیں کہا۔

بدلہ لینا بھی خیر خواہی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں سے یہ جو منقول ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لے لیا، یہ بدلہ لینا بھی درحقیقت اس شخص کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض اولیاء اللہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچائے یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے اور وہ صبر کر جائیں تو ان کے صبر کے نتیجے میں وہ شخص تباہ

وبرباد ہو جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس کے لئے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ساتھ کی ہوئی زیادتی پر ایسا عذاب نازل فرماتے ہیں کہ ایسے عذاب سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کیونکہ اس ولی کا صبر اس شخص پر واقع ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ والے بعض اوقات اپنے ساتھ کی ہوئی زیادتی کا بدلہ لے لیتے ہیں تاکہ اس کا معاملہ برابر ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کا عذاب اس پر نازل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کیوں بدلہ لیتے ہیں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس بات پر اشکال ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ اولیاء اللہ تو اتنے شفیق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر کی ہوئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیتے، لیکن اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر تلے ہوئے ہیں کہ اگر بدلہ نہ لیا جائے تو وہ ضرور عذاب دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کی شفقت اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے مقابلے میں زیادہ ہوگئی۔ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ شیرنی کو اگر کوئی جا کر چھیڑ دے تو وہ شیرنی طرح دے جاتی ہے اور بدلہ نہیں لیتی اور اس پر حملہ نہیں کرتی، لیکن اگر کوئی جا کر اس شیرنی کے بچوں کو چھیڑ دے تو پھر شیرنی اس کو برداشت نہیں کرتی بلکہ چھیڑنے والے پر حملہ کر دیتی ہے۔ اسی

طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں لوگ گستاخیاں کرتے ہیں، کوئی شرک کر رہا ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کر رہا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے تحمل سے اس کو درگزر فرما دیتے ہیں، لیکن اولیاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرنا اللہ تعالیٰ کو برداشت نہیں ہوتا، اس لئے یہ گستاخی انسان کو تباہ کردیتی ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں یہ منقول ہے کہ کسی اللہ کے ولی نے بدلہ لے لیا، وہ بدلہ لینا اس کی خیر خواہی کے لئے ہوتا ہے، کیونکہ اگر بدلہ نہ لیا تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کا کیا عذاب اس پر نازل ہو جائے گا۔

تیسرے بزرگ کا انداز

جہاں تک تیسرے بزرگ کا تعلق ہے، جنہوں نے تمہارا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ خدا پر رحمت اور شفقت کا وصف عطا فرمایا تھا، اس لئے انہوں نے پلٹ کر ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

پہلے بزرگ کا طریقہ سنّت تھا

لیکن اصل طریقہ سنّت کا وہ ہے جس کو پہلے بزرگ نے اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ اگر کسی نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے تو میاں! کہاں تم اس سے بدلہ لینے کے چکر میں پڑ گئے، کیونکہ اگر تم بدلہ لے لوگے تو تمہیں کیا فائدہ مل جائے گا؟ بس اتنا ہی تو ہوگا کہ سینے کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی، لیکن اگر تم اس کو معاف کر دو گے اور درگزر کر دو گے تو سینے کی آگ کیا بلکہ جہنم کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جائے گی، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

معاف کرنا باعث اجر وثواب ہے

آج کل ہمارے گھروں میں، خاندانوں میں، ملنے جلنے والوں میں، دن رات یہ مسائل پیش آتے رہتے ہیں کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ کر دیا اور فلاں نے یہ کر دیا، اب اس سے بدلہ لینے کی سوچ رہے ہیں، دوسروں سے شکایت کرتے پھر رہے ہیں، اس کو طعنہ دے رہے ہیں، دوسروں سے اس کی بُرائی اور غیبت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ لیکن اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر دو تو تم بڑی فضیلت اور ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (سورۃ الشوریٰ: آیت ۴۳)

جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بیشک یہ بڑے ہمّت کے کاموں میں سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ (سورۂ حم السجدہ: آیت ۳۴)

دوسرے کی بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن کے ساتھ عداوت ہے، وہ سب تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ

حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ (سورۂ حم السجد: آیت ۳۵)

یعنی یہ عمل ان ہی کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور یہ دولت بڑے نصیب والے کو حاصل ہوتی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے انداز جواب

حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ طعنہ نہیں دیتے، حتیٰ کہ اگر کوئی سامنے والا شخص طعنہ بھی دے تو بھی جواب میں یہ حضرات طعنہ نہیں دیتے۔

غالباً حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا کہ:

اِنَّا لَنَرٰکَ فِیْ سَفَاھَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ

(سورۃ الاعراف: آیت ٦٦)

نبی سے کہا جا رہا ہے کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ تم انتہا درجے کے بیوقوف ہو، احمق ہو اور ہم تمہیں کاذبین میں سے سمجھتے ہیں، تم جھوٹے معلوم ہوتے ہو۔ وہ انبیاء علیہم السلام جن پر حکمت اور صدق قربان ہیں، ان کے بارے میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں، لیکن دوسری طرف جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاھَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (سورۂ الاعراف: آیت ٦٠)

اے قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں بلکہ میں اللہ رب

العالمین کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

ایک اور پیغمبر سے کہا جا رہا ہے کہ:

اِنَّا لَنَرٰكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۔(سورۃ الاعراف: آیت ۶۰)

ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں کہ تم گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَۃٌ وَّ لٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ (سورۃ الاعراف: آیت ۶۱)

اے قوم! میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں اللہ رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ پیغمبر نے طعنہ کا جواب طعنہ سے نہیں دیا۔

رحمت للعالمین کا انداز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا، ان پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے، گھٹنے خون سے لہولہان ہو رہے ہیں، لیکن زبان پر یہ الفاظ جاری ہیں:

اَللّٰھُمَّ اھۡدِ قَوۡمِیۡ فَاِنَّھُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۔

اے اللہ! میری اس قوم کو ہدایت عطا فرما، کیونکہ یہ جاہل ہے اور اس کو حقیقت کا پتہ نہیں ہے، اس وجہ سے میرے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کبھی کسی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، گالی کا بدلہ گالی سے نہیں

دیتے، وہ اہل مکہ جنہوں نے مکہ میں رہنے والے صحابہ کرامؓ کی زندگی عذاب کر دی تھی، ان صحابہ کرام کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جا رہا ہے، پتھر کی سلیں ان کے سینوں پر رکھی جا رہی ہیں، ان کا بائی کاٹ کیا جا رہا ہے، ان کا کھانا پانی بند کیا جا رہا ہے، ان کے قتل کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ ۱۳ سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو ظلم کی چکی میں پیسا، لیکن اسی شہر مکہ میں فتح مکہ کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فاتح بن کر داخل ہوئے تو اس موقع کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہو کر فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں اس شان سے داخل ہو رہے ہیں کہ آپ ﷺ کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ کوئی دوسرا فاتح ہوتا تو اس کی گردن تنی ہوئی ہوتی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن جھکی ہوئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور زبان مبارک پر یہ آیات جاری ہیں:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً۔ (سورۃ الفتح: آیت ۱)

یعنی ہم نے آپ ﷺ کو فتح مبین عطا فرمائی۔

عام معافی کا اعلان

اور اس وقت آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈالدے وہ مامون ہے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اس کو بھی امن ہے، جو شخص حرم میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے، جو شخص ابوسفیان

کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے۔ پھر آپ نے تمام اہل مکہ کو جمع کر کے فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم وانتم الطلقاء۔

آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں اور تم سب آزاد ہو۔

یہ سلوک آپ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ کیا جو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔

ان سنّتوں پر بھی عمل کرو

بہرحال! انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ بُرائی کا جواب بُرائی سے مت دو، گالی کا جواب گالی سے مت دو بلکہ اپنے مقابل کے ساتھ احسان کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے جتنے طریقے ہیں وہ سب سنّت ہیں، ہم نے صرف چند ظاہری چیزوں کا نام سنّت رکھ لیا ہے، مثلاً داڑھی رکھ لینا، خاص طریقے کا لباس پہن لینا، جتنی سنّتوں پر بھی عمل کی توفیق ہو جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن سنّتیں صرف ان کے اندر منحصر نہیں، بلکہ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے کہ بُرائی کا جواب بُرائی سے نہ دو، گالی کا جواب گالی سے نہ دو، اگر اس سنت پر عمل ہو جائے تو ایسے شخص کے بارے میں قرآن شریف کا ارشاد ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۳)

جس شخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو البتہ یہ بڑے

ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

یہ بڑے ہمت کی بات ہے کہ آدمی کو غصہ آرہا ہے اور خون کھول رہا ہے، اس وقت آدمی ضبط کر کے حدود پر قائم رہے اور سامنے والے کو معاف کردے اور راستہ بدل دے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ (سورۃ الفرقان: آیت ۷۲)

یعنی جو لغو باتوں سے کنارہ کش رہنے والے ہیں۔

اس سنّت پر عمل کرنے سے دنیا جنّت بن جائے

آپ حضرات ذرا سوچیں کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت حاصل ہو جائے تو پھر دنیا میں کوئی جھگڑا باقی رہے گا؟ سارے جھگڑے، سارے فسادات، ساری عداوتیں، ساری دشمنیاں اس وجہ سے ہیں کہ آج اس سنت پر عمل نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس سنت پر عمل کی توفیق عطا فرما دیں تو یہ دنیا جو آج جھگڑوں کی وجہ سے جہنم بنی ہوئی ہے، جس میں عداوتوں کی آگ سلگ رہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں جنت بن جائے، گل وگلزار بن جائے۔

جب تکلیف پہنچے تو یہ سوچ لو

جب بھی آپ کو کسی سے تکلیف پہنچے تو یہ سوچو کہ میں بدلہ لینے کے کس چکر میں پڑوں، ہٹاؤ اسکو اور اللہ اللہ کروں اور اس کو معاف کردوں۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص نے آپ کے ساتھ زیادتی کرلی، آپ نے اس سے

زیادہ زیادتی کرلی، اب دوسرا شخص اس زیادتی کا بدلہ لے گا اور پھر آپ اس سے بدلہ لیں گے، اس طرح عداوتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کی کوئی انتہاء نہیں، لیکن بالآخر تمہیں کسی مرحلے پر ہار ماننی پڑے گی اور اس جھگڑے کو ختم کرنا ہوگا، لہٰذا تم پہلے دن ہی معاف کر کے جھگڑا ختم کردو۔

چالیس سالہ جنگ کا سبب

زمانہ جاہلیت میں ایک طویل جنگ ہوئی ہے جو ''جنگ بسوس'' کہلاتی ہے، اس جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شخص کی مرغی کا بچہ تھا، وہ کسی دوسرے شخص کے کھیت میں چلا گیا اور وہاں جاکر اس نے پودے خراب کر دیئے، بس اس پر لڑائی شروع ہوگئی، ان دونوں کے قبیلے اور خاندان والے آگئے، پہلے لاٹھیاں نکلیں اور پھر تلواریں نکل آئیں، پھر یہ لڑائی چالیس سال تک جاری رہی، جب باپ کا انتقال ہوتا تو وہ اپنے بیٹے کو وصیت کر جاتا کہ بیٹا اور سب کام کرلینا لیکن میرے قاتلوں کو معاف نہ کرنا۔ صرف ایک مرغی کے بچے کی وجہ سے چالیس سال تک لڑائی چلتی رہی، اگر پہلے دن ہی قرآن کریم کی اس آیت:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○

پرعمل کرلیتے تو یہ لڑائی اسی دن ختم ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے اور ہمیں اس پر عمل کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمادے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اوقات زندگی بہت قیمتی ہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱ ـ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

اوقاتِ زندگی بہت قیمتی ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَ تِھِمْ خٰشِعُوْنَ○

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ٥ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ٥ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَا جِهِمْ اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ٥فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ٥

(سورۃ المؤمنون: ۱ تا ۷)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

گزشتہ چند جمعوں سے سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان چل رہا ہے، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کی ان صفات کو بیان فرمایا ہے جو ان کی دنیا وآخرت میں فلاح اور کامیابی کی موجب ہیں۔ لہٰذا اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہو جائے تو ان کو یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہیں جو صفات ان آیات میں۔ بیان کی گئی ہیں ان میں سے پہلی صفت ''نماز میں خشوع اختیار کرنا'' ہے، اس کا مفصل بیان الحمد للہ پچھلے چند جمعوں میں ہو چکا۔

آیت کا ایک مطلب

دوسری صفت جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○

یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو لغو سے اعراض کرتے ہیں کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ بیہودہ گفتگو کرے یا بیہودہ معاملہ کرے تو تم ترکی بترکی اس کا جواب نہ دو، گالی کا جواب گالی سے نہ دو، بلکہ اس سے کنارہ کش ہو جاؤ اور اس کو معاف کردو۔ اس کی تفصیل گزشتہ جمعہ عرض کردی تھی۔

آیت کا دوسرا مطلب

اس آیت کریمہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو فضول کاموں سے بچتے ہیں۔ یعنی ایسے کاموں سے بچتے ہیں جس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہے، ''لغو'' کے معنی ہیں وہ کام جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ کام فضول ہے، اگر کوئی کام ایسا ہے جس کا فائدہ آخرت میں ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے، سبحان اللہ، اور اگر کوئی کام ایسا ہے جس کا فائدہ دنیا میں ہے، تو وہ بھی ٹھیک ہے، لیکن ایسا کام جس کا فائدہ نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں ہے، ایسے کام کو ''لغو اور فضول'' کہتے ہیں۔

کام سے پہلے سوچو

اس آیت کریمہ نے یہ بتادیا کہ مؤمن کو چاہئے کہ وہ جو بھی کام کرنے جا رہا ہے، اس کے بارے میں پہلے سے یہ سوچے کہ اس کا کوئی فائدہ دنیا یا آخرت میں ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی فائدہ ہے تو بیشک وہ کام کرلے لیکن اگر کوئی فائدہ نہیں ہے تو بلاوجہ اپنے اوقات کو اس لغو اور فضول کام میں برباد نہ کرے۔

زندگی بڑی قیمتی ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو جو زندگی عطا فرمائی ہے، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے اور ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، یہ لمحات ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیے ہیں تاکہ ہم ان لمحات کو دنیا یا آخرت کے کسی مفید کام میں صرف کریں، اگر ہم ان لمحات کو فضول اور بے فائدہ کاموں میں صرف کررہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی کی ناقدری اور ناشکری ہے، اس لئے فرمایا کہ اپنے آپ کو بے فائدہ کاموں میں مت لگاؤ اور اس میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔

فضول بحث ومباحثہ

مثال کے طور پر بہت سے لوگ فضول بحثوں میں الجھتے رہتے ہیں جن کا کوئی حاصل اور نتیجہ نہیں، دو چار آدمی کہیں بیٹھ گئے تو کسی موضوع پر بحث شروع ہوگئی، اب ایک شخص اپنے موقف پر دلیل پیش کررہا ہے اور دوسرا شخص

اپنے موقف پر دلیل پیش کر رہا ہے اور اس بحث و مباحثہ کے اندر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، حالانکہ اگر اس بحث کا تصفیہ بھی ہو جائے تو بھی نہ دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا اور نہ آخرت کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا، ایک مؤمن کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے اوقات کو فضول بحثوں میں برباد کرے۔

آج کل ہمارے معاشرے میں فضول بحثوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے، کوئی بھی مسئلہ اٹھا دیا اور اس میں دو فریق بن گئے اور بحث شروع ہوگئی، حالانکہ وہ مسئلہ ایسا ہے کہ اگر اس کا تصفیہ بھی ہو جائے تو دنیا و آخرت کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

ایک سبق آموز واقعہ

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سبق آموز واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، دھلی میں قیام تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، ساتھ میں بڑے نازک مزاج بھی تھے، ان کی نازک مزاجی کے بڑے واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ دو طالب علموں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، ہم ان کی خدمت میں جائیں اور ان سے بیعت ہوں اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کریں۔ چنانچہ یہ دونوں طالب علم اپنے شہر ''بلخ'' سے جو اس وقت ترکستان کا حصہ تھا، وہاں سے سفر کر کے دھلی پہنچے، دھلی

کی جس مسجد میں حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا، اس مسجد میں گئے، نماز کا وقت قریب تھا، یہ دونوں وضو کرنے کے لئے مسجد کے حوض پر بیٹھ گئے اور وضو کرنا شروع کیا حضرت مرزا صاحب بھی کہیں قریب تھے، البتہ یہ دونوں طالب علم حضرت مرزا صاحب کو پہنچانتے نہیں تھے، وضو کے دوران ایک طالب علم نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ حوض بڑا ہے یا ہماری بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے؟ دوسرے طالب علم نے کہا کہ مجھے یہ بڑا معلوم ہوتا ہے، پہلے طالب علم نے کہا کہ نہیں، بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے، اس پر دونوں کے درمیان بحث شروع ہوگئی، ایک کہتا کہ بلخ والا حوض بڑا ہے اور دوسرا کہتا کہ دھلی والا حوض بڑا ہے اور دلائل دینے شروع کردیے اور وضو بھی کرتے رہے لیکن وضو ختم ہوگیا اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔

فضول کاموں کا شوق ہے

پھر ان دونوں نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت! ہم آپ سے بیعت ہونے اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بیعت کا معاملہ تو بعد میں ہوگا؟ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ فیصلہ ہوا یا نہیں کہ دھلی کا حوض بڑا ہے یا بلخ کا حوض بڑا ہے اب وہ دونوں بڑے شرمندہ ہوئے اور کہا کہ حضرت! فیصلہ تو ہوا نہیں، فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ پہلے یہاں کا حوض ناپو اور پھر واپس جاکر بلخ کا حوض ناپو اور اس مسئلہ کا تصفیہ

کرو، بیعت کی بات بعد میں کرنا۔ آپ دونوں کی اس بحث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ آپ دونوں کو فضول کاموں میں مشغول رہنے کا بڑا شوق ہے فرض کرو کہ اگر یہ پتہ بھی چل گیا کہ بلخ کا حوض بڑا ہے یا دھلی کا حوض بڑا ہے تو اس سے دنیا یا آخرت میں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ تم نے اس فضول بحث میں اپنے آپ کو لگا رکھا ہے۔

بے تحقیق بات کہنا

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ دونوں کے اندر تحقیق اور احتیاط نہیں ہے، بغیر ناپے ہوئے تم میں سے ایک نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہاں کا حوض بڑا ہے اور دوسرے نے دعویٰ کر دیا کہ وہاں کا حوض بڑا ہے، حالانکہ تم میں سے کسی کو یقینی علم حاصل نہیں ہے اور پھر بھی آپس میں بحث کرنی شروع کر دی۔ یہ دونوں باتیں ایک مؤمن کی شان کے خلاف ہیں، مؤمن کی شان یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○

مؤمنین وہ ہیں جو فضول اور لغو بحث سے پرہیز کرتے ہیں،

شریعت کے حکم میں تحقیق کرنا

یہاں تک فرمایا گیا کہ جس چیز کے بارے میں شریعت نے کوئی خاص حکم نہیں دیا بلکہ اس کے بارے میں شریعت نے چھوٹ دی ہے تو اس کے اندر مزید تحقیق میں پڑنا بھی پسند نہیں کیا گیا، اس لئے کہ شریعت نے جب عام حکم

دیا ہے اور اس کے لئے کوئی خاص حکم مقرر نہیں کیا تو خواہ مخواہ اس کی فکر میں پڑنا اور اس کے اندر بحث کرنا کوئی عقل مندی کا کام نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا خوبصورت جواب

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ ان صاحب نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ میرے گھر کے قریب ایک نہر ہے، میں اس نہر میں نہانے کے لئے جاتا ہوں، جب میں اس نہر میں داخل ہوتا ہوں تو نہر میں داخل ہوتے وقت مجھے اپنا منہ مغرب کی طرف کرنا چاہئے یا مشرق کی طرف کرنا چاہئے؟ یعنی قبلہ کی طرف کروں یا دوسری طرف کروں؟ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ تم اپنا منہ اپنے کپڑوں کی طرف کرلیا کرو کہ کوئی تمہارے کپڑے لے کر نہ بھاگ جائے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ جب شریعت نے تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں لگائی کہ نہاتے وقت اپنا منہ مغرب کی طرف کرو یا مشرق کی طرف کرو تو پھر خواہ مخواہ اپنے کو پابند کرنا عقل مندی کا کام نہیں۔

بنی اسرائیل کا گائے کے بارے میں سوالات

قرآن کریم کی سورۃ البقرۃ میں یہ واقعہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک گائے ذبح کرو، کوئی قید اور کوئی شرط نہیں لگائی۔

اب سیدھی سی بات یہ تھی کہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو حکم پر عمل ہو جاتا، لیکن بنی اسرائیل نے سوالات شروع کر دیئے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس کا رنگ کیسا ہونا چاہئے؟ اس کی کھال کیسی ہونی چاہئے؟ وہ گائے مذکر ہو یا مؤنث ہو؟ جب انہوں نے سوالات کر کے خود اپنے اوپر پابندیاں عائد کرنا شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی بتا دیا کہ گائے ایسی ہو، ان صفات کی حامل ہو اور اس کا رنگ زرد ہو، اب اس زمانے میں زرد رنگ کی گائے ملتی نہیں تھی، تلاش کر کے تھک گئے، بالآخر بڑی مشکل سے ایک صاحب کے پاس وہ گائے مل گئی پھر اس کو ذبح کیا۔ قرآن کریم ان کے بارے میں فرماتا ہے:

فَذَ بَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

(سورۃ البقرۃ: ۷۱)

یعنی آخر میں جا کر انہوں نے وہ گائے ذبح کی، ورنہ قریب تھا کہ وہ ذبح نہ کر پاتے، اس لئے کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنے اوپر پابندیاں عائد کر لی تھیں۔

زیادہ سوالات مت کرو

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَـكُمْ تَسُؤْكُمْ ـ (سورۃ المائدۃ: ۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات مت کرو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہارے لئے ناگواری کا سبب ہو۔ لہٰذا خواہ مخواہ ایسی

چیزوں کے پیچھے پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

فضول سوالات کی بھرمار

میرے پاس لوگوں کے بکثرت فون آتے ہیں اور مسائل پوچھتے ہیں اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ حلال، حرام یا جائز اور ناجائز کا مسئلہ پوچھ لیا، لیکن بسا اوقات سوال کرنے والے بالکل فضول سوال کرتے ہیں مثلاً ایک صاحب نے ایک مرتبہ فون کیا اور پوچھا کہ اصحاب کہف کا جو کتا تھا اس کا رنگ کیا تھا؟ اور یہ سوال بھی اس وقت کیا جب کہ رات کو سونے کا وقت تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کتے کا رنگ معلوم کرنے کی ضرورت کیسے پیش آئی؟ جواب میں کہا کہ ہم چند دوست بیٹھے ہوئے تھے تو ہمارے درمیان یہ بحث چل پڑی، اس بحث کے تصفیہ کے لئے آپ سے سوال کر رہا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ اس کتے کا رنگ کالا تھا یا سفید تھا تو اس کے نتیجے میں تمہیں دنیا یا آخرت کا کونسا فائدہ حاصل ہو جائے گا؟ یہ فضول باتیں ہیں جن کا آپ سے نہ قبر میں سوال ہوگا اور نہ حشر میں سوال ہوگا۔ بہت سے لوگ مذہب اور دین کے نام پر ایسی بحثیں شروع کر دیتے ہیں اور پھر اس پر آپس میں مناظرے ہو رہے ہیں، کتابیں لکھی جا رہی ہیں، مقالات لکھے جا رہے ہیں اور ایک دوسرے پر تنقید ہو رہی ہے۔

''یزید'' کے بارے میں سوال

یا مثلاً لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ ''یزید'' جہنمی ہے یا جنتی ہے؟ فاسق ہے یا نہیں؟ ارے بھائی! اگر تمہیں پتہ بھی چل جائے کہ یزید فاسق نہیں تو کونسی تمہیں ایسی بات معلوم ہوجائے گی جس کے بارے میں آخرت میں تم سے سوال ہوگا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ ایک مجلس میں میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! میں یزید کے بارے میں کیا بتاؤں، مجھے تو اپنے بارے میں فکر ہے کہ میں فاسق ہوں یا نہیں؟ جس شخص کو اپنی فکر پڑی ہوئی، ہو وہ دوسرے کے بارے میں کیا فکر کرے؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

(البقرة:۱۳۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو گزر گئے، ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اعمال جو زندگی میں انجام دینے ہیں، جن کے نتیجے میں جنت اور جہنم کا فیصلہ ہونے والا ہے، جو حلال و حرام ہیں اور جائز ناجائز ہیں، ان کی فکر کرو، فضول بحثوں میں اپنے اوقات کو ضائع کرنا مؤمن کا کام نہیں۔

ایک لمحہ میں جہنم سے جنّت میں پہنچنا

زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک منٹ اتنا قیمتی ہے کہ اگر تم چاہو تو ایک منٹ کے اندر اپنے آپ کو جنت الفردوس کا مستحق بنالو۔ اگر ایک انسان ایک منٹ کو صحیح استعمال کرے تو ایک منٹ کے اندر جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ جائے۔ ایک ستر سال کا کافر اگر سچے دل سے یہ کلمہ پڑھ لے

اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُهُ اللّٰهِ ۔۔

تو وہ ایک منٹ میں کو جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ گیا۔ ایک بڑا گناہ گار جس نے ہزاروں لاکھوں گناہ کر لئے لیکن ایک مرتبہ سچے دل سے کہے کہ اے اللہ! میں اپنی ساری پچھلی زندگی سے توبہ کرتا ہوں، سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، جس لمحہ میں اس نے توبہ کرلی، اسی لمحہ میں وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں پہنچ گیا۔ اگر ایک لمحہ کے اندر آپ نے ''سبحان اللہ کہہ دیا یا الحمدللہ کہہ دیا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ کلمات انسان کے میزانِ عمل کو بھر دیتے ہیں۔

زندگی عظیم نعمت ہے

یہ سب چیزیں ابھی نظر نہیں آرہی ہیں، لیکن جب یہ آنکھیں بند ہوں گی اور انسان دوسرے عالم میں پہنچے گا تو اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ زندگی کتنی قیمتی تھی۔ لہٰذا جو لمحات تم صحیح کام میں صرف کرکے اس کے ذریعہ جنت کے زرد

جواہر کما سکتے ہو، ان لمحات کو تم ٹھیکروں اور پتھروں میں ضائع کر رہے ہو؟ زندگی کا ایک ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں فرمایا کہ موت کی تمنا مت کرو، اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اگر تمہیں زندگی کے مزید لمحات میسر آجائیں تو ان لمحات میں نہ جانے کس نیکی کی توفیق ہو جائے جو تمہارا بیڑہ پار کر دے، اس وجہ سے یہ مت کہو کہ یا اللہ! میں مر جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، یہ بڑی عظیم نعمت ہے، اس نعمت کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کرو، اس نعمت کو فضول بحثوں میں اور فضول کاموں میں صرف کرنا مناسب نہیں۔

مجلس آرائی مت کرو

اسی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ فضول مجلس آرائی کرنا اور گپ شپ کرنا اور اس میں گھنٹوں گزار دینا پسندیدہ عمل نہیں، بلکہ اس بات کی کوشش کرو کہ ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ ہو۔ ہاں! دنیا کے فائدے کے جو کام ہیں، ان کو کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا، وہ دنیا کے فائدے کے کام کرو، اگر نیت صحیح ہو تو وہ دنیا کے کام بھی دین بن جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارا طریقہ درست کر دے اور ہماری نیت درست کر دے تو وہ کام جن کو ہم دنیا کے کام کہتے ہیں، وہ بھی آخرت کے کام بن جائیں گے، لیکن ایسے کام جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہے، ان سے اعراض کرو۔

نسخہ اکسیر

اگر یہ نسخہ ہم پلّے باندھ لیں، جس پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو کام ہم کرنے جائیں، ایک لمحہ کے لئے پہلے یہ سوچ لیں کہ اس کام سے کوئی فائدہ دنیا یا آخرت کا ہوگا یا نہیں؟ اگر فائدہ ہو تو بیشک وہ کام کرلیں اور اگر فائدہ نہ ہو تو اس کام کے پیچھے نہ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اپنی رحمت سے قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ○ (سورۃ المؤمنون:۱۔۴)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات کا بیان چل رہا ہے، ان میں سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو لغو کاموں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ ان دونوں صفات کا تفصیلی بیان گزشتہ جمعوں میں ہو چکا۔ فلاح یافتہ مؤمنوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ○

یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

زکوٰۃ کے دو معنی

مفسّرین نے اس آیت کریمہ کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس سے مراد فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہے اور دوسرا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ یہاں ''زکوٰۃ'' کے وہ مشہور معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں ''اپنے اخلاق کو پاک صاف کرنا'' عربی زبان میں ''زکوٰۃ'' کے معنی ہیں ''کسی بھی چیز کو گندگی سے، آلائشوں سے، اور نجاست سے پاک

کرنا''، زکوٰۃ کو بھی زکوٰۃ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے مال کو پاک کر دیتی ہے، جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ مال گندا ہے اور ناپاک ہے۔ بہر حال، بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں زکوٰۃ کے معنی ہیں ''اپنے اخلاق کو پاک کرنا'' بُرے اخلاق سے اپنے آپ کو بچانا، لیکن یہ کام کہ اپنے آپ کو اچھے اخلاق سے مزین کیا جائے اور برے اخلاق سے بچایا جائے، یہ ایک عمل چاہتا ہے، اسی وجہ سے اس آیت میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○

یعنی جو لوگ اپنے آپ کو بُرے اخلاق سے بچانے کے عمل سے گزرتے ہیں اور اپنے اخلاق کو پاک کر لیتے ہیں۔ بہر حال اس آیت کریمہ کی یہ دو تفسیریں ہیں۔

زکوٰۃ کی اہمیت

آج اس آیت کے مشہور معنی کے اعتبار سے تفسیر عرض کرتا ہوں، یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ ''زکوٰۃ'' اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک ستون ہے اور ارکان اور فرائض میں سے ہے اور جس طرح نماز فرض ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ قرآن کریم نے بے شمار مواقع پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ۔

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ ان آیات کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ

جس طرح نماز کی ادائیگی انسان کے لئے فرض اور ضروری ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی انسان کے لئے اتنے ہی درجے میں فرض اور ضروری ہے، نماز اگر بدنی عبادت ہے جس کو انسان اپنے جسم کے ذریعہ ادا کرتا ہے تو زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جس کو انسان اپنے مال سے ادا کرتا ہے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید

اس کے چھوڑنے پر قرآن و حدیث میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

(سورۃ التوبۃ: آیات ۳۴، ۳۵)

یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کرکے جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کو خرچ نہیں کرتے یعنی جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں خرچ نہیں کرتے، مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی اور قربانی کرنے کا جو حکم دیا ہے اور اسی طرح دوسرے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنے کا جو حکم دیا ہے، ان احکام پر عمل نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کو دردناک عذاب ہونے والا

ہے۔ پھر اگلی آیت میں اس عذاب کی تفصیل بیان فرمائی کہ جس مال کو اور سونے چاندی کو انہوں نے جمع کیا تھا، اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان کی پیشانیاں اس مال سے داغی جائیں گی، جیسے لوہے کو آگ پر گرم کیا جاتا ہے اور وہ انگارہ بن جاتا ہے، اسی طرح ان کے مال اور سونے چاندی کو جہنم کی آگ پر گرم کیا جائے گا اور جب وہ آگ پر انگارہ کی طرح بن جائے گا تو اس کے بعد ان کی پیشانیاں اس سے داغی جائیں گی اور ان کے پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے پاس جمع کر کے رکھا تھا، آج تم اس مال کا مزہ چکھو جو تم نے جمع کر کے رکھا تھا۔ یہ کتنی سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے بیان فرمائی، اس سے پتہ چلا کہ یہ زکوٰۃ کتنا عظیم فریضہ ہے۔

زکوٰۃ کے فائدے

اللہ تعالیٰ نے یہ زکوٰۃ کا فریضہ ایسا رکھا ہے کہ اس کا اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، لیکن اس کے فائدے بھی بیشمار ہیں، ایک فائدہ یہ ہے کہ جو بندہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مال کی محبت سے محفوظ رکھتا ہے، چنانچہ جس کے دل میں مال کی محبت ہوگی، وہ کبھی زکوٰۃ نہیں نکالے گا، کیونکہ بخل اور مال کی محبت انسان کی بدترین کمزوری ہے اور اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے ذریعہ فرمایا ہے۔ زکوٰۃ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بے شمار غریبوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ اندازہ لگایا کہ اگر پاکستان کے تمام لوگ ٹھیک ٹھیک زکوٰۃ نکالیں اور اس زکوٰۃ کو صحیح مصرف پر خرچ کریں تو

یقیناً اس پاکستان سے غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ بہت سے لوگ تو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں اور جو بہت سے لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں تو وہ ٹھیک ٹھیک نہیں نکالتے بلکہ اندازے سے حساب کتاب کے بغیر نکال دیتے ہیں اور پھر وہ اس کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس زکوٰۃ کا مصرف براہ راست غریب لوگ ہیں، اس لئے شریعت نیز کوٰۃ کو بڑے بڑے رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی، لیکن لوگ اس مسئلے کی پرواہ نہیں کرتے اور زکوٰۃ کو مختلف مصارف پر خرچ کر لیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ سے غریبوں کو جو فائدہ پہنچنا چاہئے تھا وہ فائدہ ان کو نہیں پہنچ رہا، اگر ٹھیک ٹھیک حساب کر کے صحیح مصرف پر زکوٰۃ خرچ کی جائے تو چند ہی سال میں ملک کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے اسباب

لیکن یہ زکوٰۃ جتنا بڑا فریضہ ہے اور جتنے بے شمار اس کے فائدے ہیں، اتنی ہی اس کی طرف سے ہمارے معاشرے میں غفلت برتی جارہی ہے، چنانچہ بہت سے لوگ اس وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے کہ ان کے دلوں میں اسلام کے فرائض، واجبات اور ارکان کی اہمیت ہی نہیں ہے، جو پیسہ آرہا ہے آنے دو، غنیمت ہے اور اس کو اپنے الَلّے تلَلّے میں خرچ کرتے رہو، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسا بننے سے محفوظ رکھے، آمین۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ ہم تو دینی کاموں کے لئے پیسے دیتے رہتے ہیں، کبھی کسی کام کے لئے اور کبھی کسی کام کے لئے، لہٰذا ہماری زکوٰۃ تو خود بخود نکل رہی ہے، اب الگ سے

زکوٰۃ نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟

مسائل سے ناواقفیت

بعض لوگ وہ ہیں جن کو پتہ ہی نہیں کہ زکوٰۃ کس وقت فرض ہوتی ہے، وہ لوگ زکوٰۃ کے احکام سے ناواقف ہیں، ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ زکوٰۃ کس شخص پر فرض ہوتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ذمے زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہے، حالانکہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ وہ ایسا اس لئے سمجھ رہے ہیں کہ ان کو صحیح مسئلہ معلوم نہیں کہ کس شخص پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں وہ لوگ زندگی بھر زکوٰۃ کی ادائیگی سے محروم رہتے ہیں۔

زکوٰۃ کا نصاب

خوب سمجھ لیں کہ شریعت نے زکوٰۃ کا ایک نصاب مقرر کیا ہے، جس شخص کے پاس وہ نصاب موجود ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، اور وہ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے بازار میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت معلوم کرلی جائے، آج کل کے لحاظ سے اس کی قیمت تقریباً چھ ہزار روپے بنتی ہے۔ لہٰذا شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس چھ ہزار روپے نقد ہوں یا سونے کی شکل میں ہوں یا چاندی کی شکل میں ہوں یا مال تجارت کی شکل میں ہوں، اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، بشرطیکہ یہ روپے اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد ہوں یعنی روزمرہ کی ضروریات اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی ضرورت سے زائد ہوں البتہ اگر کسی شخص پر

قرض ہے تو جتنا قرض ہے، وہ اس زکوٰۃ کے نصاب سے منہا کرلیا جائے گا، مثلاً یہ دیکھا جائے کہ یہ رقم جو ہمارے پاس ہے، اگر اس کو قرض ادا کرنے میں صرف کر دی جائے تو باقی کتنی رقم بچے گی، اگر باقی چھ ہزار روپے یا اس سے زائد نہ بچے تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر چھ ہزار روپے یا اس سے زائد بچے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ضرورت سے کیا مراد ہے؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس چھ ہزار روپے تو ہیں، مگر وہ ہم نے اپنی بیٹی کی شادی کے لئے رکھے ہیں اور شادی کرنا ضرورت میں داخل ہے، لہٰذا اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ یہ خیال غلط ہے، اس لئے کہ ضرورت سے مراد زندگی کی روزمرہ کی کھانے پینے کی ضرورت مراد ہے یعنی اگر وہ ان روپوں کو خرچ کر دے گا تو اس کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں بچے گا اپنے بیوی بچوں کو کھلانے کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ لیکن جو رقم دوسرے منصوبوں کے لئے رکھی ہے مثلاً بیٹیوں کی شادی کرنی ہے یا مکان بنانا ہے یا گاڑی خریدنی ہے اور اس کے واسطے رقم جمع کر کے رکھی ہے تو وہ رقم ضرورت سے زائد ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زکوٰۃ سے مال کم نہیں ہوتا

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو یہ پیسے بیٹی کی شادی کے لئے رکھے ہیں، اب اگر اس میں سے زکوٰۃ ادا کریں گے تو وہ رقم ختم ہو جائے گی۔ یہ کہنا

درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ تو بہت معمولی سی یعنی ڈھائی فیصد اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہے یعنی ایک ہزار پر پچیس روپے فرض کئے ہیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس چھ ہزار روپے ہیں تو اس پر صرف ڈیڑھ سو روپے زکوٰۃ فرض ہوگی جو بہت معمولی مقدار ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نظام ایسا بنایا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ مفلس نہیں ہوتا بلکہ زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ عطاء فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے ایک خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

ما نقصت صدقة من مال

یعنی کوئی صدقہ اور کوئی زکوٰۃ کسی مال میں کمی نہیں کرتی۔ مطلب یہ ہے کہ انسان زکوٰۃ کی مد میں جتنا خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی مال اور عطاء فرماتے ہیں اور کم از کم یہ تو ہوتا ہی ہے کہ جتنا مال موجود ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت عطاء فرماتے ہیں کہ وہ کام جو ہزاروں میں نکلنا چاہئے تھا، سینکڑوں میں نکل جاتا ہے۔

مال جمع کرنے اور گننے کی اہمیت

آج ہماری دنیا مادہ پرستی کی دنیا ہے، اس مادہ پرستی کی دنیا میں ہر کام کا فیصلہ گنتی سے کیا جاتا ہے، ہر وقت انسان یہ گنتا رہتا ہے کہ میرے پاس کتنے پیسے ہیں، کتنے پیسے آئے اور کتنے پیسے چلے گئے۔ جس کو قرآن کریم میں اس

طرح بیان فرمایا ہے کہ:

جَمَعَ مَالاً وَّ عَدَّ دَهٗ (الهمزة: ۲)

یعنی مال جمع کرتا ہے اور گنتا رہتا ہے۔ لہذا آج گنتی کا دور ہے، یہ دیکھتے ہیں کہ کتنی گنتی بڑھی اور کتنی گھٹ گئی۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ یہ نہیں دیکھتا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں گنتی گھٹنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس تھوڑے مال میں کتنا کام نکال دیا اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے نتیجے میں گنتی بڑھ گئی تو اس بڑھے ہوئے مال کے نتیجے میں کتنی بے برکتی آ گئی، کتنے مسائل کھڑے ہو گئے اور کتنی مصیبتوں کا سامنا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ جو بندہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اس کے مال میں کمی نہیں ہوتی۔

فرشتے کی دعا کے مستحق کون؟

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے جو مسلسل یہ دعا کرتا رہتا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَ مُمْسِكاً تَلَفاً۔

اے اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہو اور جو صدقہ خیرات کرنے والا ہو، اس کو اس کے مال کا دنیا ہی میں بدلہ عطا فرمائیے۔ آخرت میں اس کو عظیم ثواب ملنا ہی ہے لیکن وہ فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! اس کو دنیا میں بھی بدلہ عطا فرمائیے اور جو شخص اپنا مال کھینچ کر اور چھپا کر رکھتا ہے تا کہ مجھے خرچ نہ کرنا پڑے، اے اللہ! اس کے مال پر بربادی ڈال دیجئے اور اس کے مال کو

ہلاک فرمایئے۔ لہٰذا یہ سوچنا کہ ہم نے تو فلاں مقصد کے لئے یہ پیسے رکھے ہیں اور وہ مقصد بھی ضروری ہے، وہ مقصد بیٹی کی شادی ہے، گھر بنانا ہے، گاڑی خریدنی ہے، اگر ہم نے زکوٰۃ دیدی تو وہ پیسے کم ہو جائیں گے، یہ خیال درست نہیں، بلکہ اگر تم نے زکوٰۃ دیدی اور اسکے ذریعہ ظاہری طور پر کچھ کمی بھی آ گئی تو یہ کمی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی بلکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اور دیدیں گے اور جو مال بچا ہے، اس میں برکت عطا فرمائیں گے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے انشاء اللہ تمہارا کام نہیں رکے گا۔

زکوٰۃ کی وجہ سے کوئی شخص فقیر نہیں ہوتا

آج تک کسی شخص کا کام زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے نہیں رکا بلکہ میں چیلنج کر کے کہتا ہوں کہ کوئی شخص آج تک زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے مفلس نہیں ہوا، کوئی شخص ایک مثال بھی پیش نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے مفلس ہو گیا ہو، لہٰذا یہ جو لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ جو رقم حج کے لئے رکھی ہوئی ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، یہ بات غلط ہے، کوئی رقم کسی بھی مقصد کے لئے رکھی ہے اور وہ رقم تمہاری روزمرہ کی ضروریات سے فاضل ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زیور پر زکوٰۃ فرض ہے

اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم تو نہیں ہے لیکن اس کے پاس زیور کی شکل میں سونا یا چاندی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، اکثر و بیشتر گھروں میں اتنا

زیور ہوتا ہے جو نصابِ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جاتا ہے، لہٰذا جس کی ملکیت میں وہ زیور ہے، چاہے وہ شوہر ہو یا بیوی ہو یا بیٹا اور بیٹی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اگر شوہر کی ملکیت میں ہے تو شوہر پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر بیوی کی ملکیت میں ہے تو بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے۔ آج کل ملکیت کا معاملہ بھی صاف نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ زیور کس کی ملکیت ہے؟ شریعت نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہر بات صاف اور واضح ہونی چاہئے۔ لہٰذا یہ بات بھی واضح ہونی چاہئے کہ یہ زیور کس کی ملکیت ہے؟ شوہر کی ملکیت ہے؟ یا بیوی کی ملکیت ہے؟ اگر اب تک واضح نہیں تھی تو اب واضح کرلو کہ کس کی ملکیت ہے؟ جس کی ملکیت ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

شاید آپ پر زکوٰۃ فرض ہو

بہرحال نصاب زکوٰۃ کے بارے میں یہ شریعت کا دستور ہے، اگر اس کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ بہت سے لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے، مگر وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اس وجہ سے وہ لوگ زکوٰۃ کے فریضے کی ادئیگی سے محروم رہتے ہیں۔ یہ نصابِ زکوٰۃ سے متعلق مختصر مسئلہ تھا، اگر زندگی باقی رہی تو تفصیل انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کردں گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁
❁

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ○ (سورۃ المؤمنون: ۱۔۴)

آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظیم وصدق
رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من
الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰه ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے ان آیات پر بیان ہو رہا ہے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے دو صفات کا تفصیلی بیان ہو چکا، تیسری صفت کا بیان چل رہا ہے کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ کی اہمیت اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید اور زکوٰۃ کے نصاب کے بارے میں گزشتہ جمعہ کو تفصیل سے عرض کر دیا تھا، آج زکوٰۃ کے بارے میں چند مسائل بیان کرنے کا ارادہ ہے جن سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم لوگ اس فریضے کو صحیح طریقے پر ادا نہیں کر رہے ہیں۔

مالکِ نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے

یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی ملکیت کا مکلّف بنایا ہے، ہر انسان پر اس کی ملکیت کے حساب سے احکام جاری ہوتے ہیں، مثلاً اگر باپ صاحبِ نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ اس کی ملکیت کے حساب سے واجب ہے، اگر بیٹا بھی صاحب نصاب ہے تو بیٹے پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے، اگر شوہر صاحب نصاب ہے اور بیوی بھی صاحب نصاب

ہے تو شوہر پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور بیوی پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے، ہر ایک کی ملکیت کا الگ الگ اعتبار ہے۔

باپ کی زکوٰۃ بیٹے کے لئے کافی نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گھر کا جو بڑا اور سربراہ ہے، چاہے وہ باپ ہو یا شوہر ہو، اگر اس نے زکوٰۃ نکال دی تو سب کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہوگئی، اب گھر کے دوسرے افراد کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ جس طرح باپ کے نماز پڑھ لینے سے بیٹے کی نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ بیٹے کو اپنی نماز الگ پڑھنی ہوگی اور جس طرح شوہر کے نماز پڑھ لینے سے بیوی کی نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ بیوی کو اپنی نماز الگ پڑھنی ہوگی، اسی طرح زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ گھر کے اندر جو شخص بھی صاحبِ نصاب ہے، چاہے وہ باپ ہے، بیٹا ہے، بیٹی ہے، بیوی ہے، شوہر ہے، سب پر اپنی اپنی ملکیت کے حساب سے الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مال پر سال گزرنے کا مسئلہ

ایک اور مسئلہ جس میں لوگوں کو بکثرت غلط فہمی رہتی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب مال پر سال گزر جائے، سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ عام طور پر لوگ اس مسئلہ کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ ہر ہر مال پر الگ الگ سال گزرنا ضروری ہے، حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سارے سال صاحب نصاب رہے۔

مثلاً کسی شخص کے پاس یکم رمضان المبارک کو دس ہزار روپے آگئے، اب یہ شخص صاحبِ نصاب ہوگیا، اب اگر سال کے اکثر حصے میں اس کے پاس ان میں سے چھ ہزار روپے موجود رہے ہیں یا چھ ہزار روپے کی مالیت کا زیور رہا ہے، یا مال تجارت رہا ہے تو وہ صاحب نصاب ہے، اگر درمیان سال میں اس کے پاس اور روپے آگئے تو اس پر علیحدہ سے مکمل سال کا گزرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگلے رمضان کی پہلی تاریخ کو جتنی رقم یا زیور یا مال تجارت ہوگا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دو دن پہلے آنے والے مال میں زکوٰۃ

مثلاً یکم رمضان سے دو دن پہلے اس کے پاس دس ہزار روپے مزید آگئے تو اب یکم رمضان کو اس دس ہزار روپے میں بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اس پر علیحدہ سے سال گزرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ وہ شخص پورے سال صاحب نصاب رہا ہے، اس لئے اگر درمیان میں کوئی اضافہ ہو جائے تو ان پر الگ سے سال گزرنا ضروری نہیں۔

زکوٰۃ کن چیزوں میں فرض ہوتی ہے؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ زکوٰۃ ان چیزوں میں فرض ہوتی ہے (۱) نقد روپیہ، چاہے بینک میں ہو یا گھر پر ہو، اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (۲) سونے چاندی اور زیور پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، چاہے زیور استعمال ہو رہا ہو یا یونہی رکھا ہوا ہو، اور وہ زیور جس کی ملکیت میں ہوگا اس

پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں بڑی بدنظمی پائی جاتی ہے، گھر میں خاتون کے پاس جو زیور ہوتا ہے، اس کے بارے میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ کس کی ملکیت ہے، کیا وہ عورت کی ملکیت ہے یا شوہر کی ملکیت ہے؟ شرعی اعتبار سے اس کو واضح کرنا ضروری ہے۔

زیور کس کی ملکیت ہوگا؟

مثلاً شادی کے موقع پر عورت کو جو زیور چڑھایا جاتا ہے، اس میں سے کچھ زیور لڑکی والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے اور کچھ زیور لڑکے والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو زیور لڑکی والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، وہ سو فیصد لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے اور لڑکی ہی پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے اور جو زیور لڑکے والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، وہ دلہن کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک طرح سے عاریتاً دیا جاتا ہے، اس کا مالک لڑکا ہوتا ہے، لہٰذا اس زیور کی زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی، البتہ اگر لڑکا اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تمہیں یہ زیور دیدیا، تم اس کی مالک ہو، تو اب زیور عورت کی ملکیت میں آجائے گا اور اس کی زکوٰۃ عورت ہی پر فرض ہوگی۔ لہٰذا اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ گھر میں جو زیور ہے، وہ کس کی ملکیت ہے؟ اس کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے بعد میں جھگڑے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو زیور شوہر کی ملکیت ہے، اس کی زکوٰۃ شوہر پر فرض ہوگی اور جو زیور عورت کی ملکیت ہے، اس کی زکوٰۃ عورت پر فرض ہے۔

زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیور کا وزن کرلیا جائے، چونکہ زکوٰۃ سونے کے وزن پر فرض ہوتی ہے، اسلئے اگر زیور میں موتی لگے ہوئے ہیں یا کوئی اور دھات اس کے اندر شامل ہے تو وہ وزن میں شامل نہیں ہوں گے، لہٰذا خالص سونا دیکھا جائے کہ اس زیور میں کتنا سونا ہے؟ پھر اس وزن کو کسی جگہ لکھ کر محفوظ کرلیا جائے کہ فلاں زیور کا اتنا وزن ہے۔ پھر جس تاریخ میں زکوٰۃ کا حساب کیا جائے مثلاً یکم رمضان کو زکوٰۃ کی تاریخ مقرر کی ہوئی ہے تو اب یکم رمضان کو بازار سے سونے کی قیمت معلوم کی جائے کہ آج بازار میں سونے کی کیا قیمت ہے؟ قیمت معلوم کرنے کے بعد اس کا حساب نکالا جائے کہ اس زیور میں کتنی مالیت کا سونا ہے۔ اس مالیت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے، مثلاً اگر اس سونے کی مالیت ایک ہزار روپے ہے تو اس پر ۲۵ روپے زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر دو ہزار ہے تو ۵۰ پچاس روپے واجب ہوگی اور اگر چار ہزار روپے ہے تو سو روپے زکوٰۃ واجب ہوگی، اس طرح حساب کرکے ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ سونے کی قیمت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن آپ زکوٰۃ کا حساب کر رہے ہیں، جس دن آپ نے سونا خریدا تھا، اس دن کی قیمت خرید معتبر نہیں ہوگی۔

مال تجارت میں زکوٰۃ

تیسری چیز جس میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، وہ مال تجارت ہے مثلاً کسی

شخص نے کوئی دکان کھولی ہوئی ہے، اب اس دکان میں جتنا مال رکھا ہے، اسکی قیمت لگائی جائے گی اور قیمت اس طرح لگائی جائے گی کہ اگر اس کا پورا سامان آج ایک ساتھ فروخت کیا جائے تو اس کی کیا قیمت لگے گی، بس قیمت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں ادا کرنا ہوگا۔

کمپنی کے شیرز میں زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کسی کمپنی کے شیئرز خریدے ہوئے ہیں تو وہ شیئرز بھی مال تجارت میں داخل ہیں، لہٰذا ان شیئرز کی جو بازاری قیمت ہے، اس قیمت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ کے طور پر ادا کرنا ہوگا۔ آج کل کمپنیاں خود شیئرز کی زکوٰۃ کاٹ لیتی ہیں، لیکن وہ کمپنیاں شیئرز کی اصل قیمت پر زکوٰۃ کاٹتی ہیں، بازاری قیمت پر نہیں کاٹتیں، مثلاً ایک کمپنی کے شیئرز کی اصل قیمت دس روپے ہے اور بازار میں اس کی قیمت پچاس روپے ہے، اب کمپنی تو دس روپے کے حساب سے زکوٰۃ کاٹ لے گی لیکن درمیان میں چالیس روپے کا جو فرق ہے، اس کی زکوٰۃ شیئرز ہولڈرز کو خود ادا کرنی ضروری ہے۔

مکان یا پلاٹ میں زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہے یعنی اس نیت سے خریدا ہے کہ میں اس پلاٹ کو فروخت کر کے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس مکان اور پلاٹ کی مالیت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن اگر کسی شخص نے کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے نہیں خریدا بلکہ

رہائش کی نیت سے خریدا ہے یا اس نیت سے خریدا ہے کہ میں اس مکان کو کرایہ پر دے کر اس سے آمدنی حاصل کروں گا تو اس صورت میں مکان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ جو کرایہ آئے گا وہ نقدی میں شامل ہو کر اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

خام مال میں زکوٰۃ

بہرحال بنیادی طور پر تین چیزیں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (۱) نقدی (۲) زیور (۳) مال تجارت۔ مال تجارت میں خام مال بھی شامل ہوگا، مثلاً اگر کسی کمپنی کے اندر خام مال پڑا ہوا ہے تو زکوٰۃ کا حساب جس دن کیا جائے گا، اس دن اس خام مال کی قیمت لگا کر اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ضروری ہوگی اور جو مال تیار ہے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بیٹے کی طرف سے باپ کا زکوٰۃ ادا کرنا

لیکن اگر زکوٰۃ گھر کے تین افراد پر الگ الگ فرض ہے اور ان میں کوئی ایک دوسرے کو اجازت دیدے کہ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ میری طرف سے زکوٰۃ ادا کر دیں، پھر وہ دوسرا شخص اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے، چاہے اپنے پیسوں سے ادا کر دے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کے تین بیٹے بالغ ہیں اور تینوں صاحب نصاب ہیں، یعنی تینوں بیٹوں کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر قابل زکوٰۃ اثاثے موجود ہیں، لہٰذا تینوں بیٹوں میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ فرض ہے اور

باپ پر صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے علیحدہ زکوٰۃ فرض ہے، لیکن اگر باپ اپنے بیٹوں کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، بشرطیکہ بیٹوں کی طرف سے اجازت ہو، اجازت کے بعد اگر باپ ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

بیوی کی طرف سے شوہر کا زکوٰۃ ادا کرنا

اسی طرح اگر شوہر بھی صاحبِ نصاب ہے اور بیوی بھی صاحبِ نصاب ہے، کیونکہ اس کے پاس اتنا زیور ہے جو نصاب زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، لیکن بیوی کے پاس زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں، اب وہ بیوی شوہر کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور تو نہیں کرسکتی لیکن اگر شوہر یہ کہے کہ تمہاری زکوٰۃ میں ادا کر دیتا ہوں اور بیوی اس کو اجازت دیدے اور پھر شوہر اپنے پیسوں سے اس کی زکوٰۃ ادا کردے تو بیوی کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ البتہ اگر شوہر بخیل ہے اور بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، تب بھی بیوی پر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگا، چاہے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اس کو اپنا زیور ہی کیوں نہ فروخت کرنا پڑے۔

زیور کی زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا تو ان کے ہاتھ کی انگلیوں میں چاندی کی انگوٹھیاں نظر آئیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ

انگوٹھیاں کہاں سے آئیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے یہ کہیں سے حاصل کی ہیں، اس لئے کہ یہ مجھے اچھی لگ رہی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ نکالتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس کی زکوٰۃ نہیں نکالی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ اس کے بدلے تمہیں آخرت میں آگ کی انگوٹھیاں پہنائی جائیں تو بیشک اس کی زکوٰۃ نہ نکالو، لیکن اگر آگ کی انگوٹھیاں پہننے سے بچنا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں اتنی تاکید فرمائی ہے، لہٰذا خواتین کو زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے بشرطیکہ وہ زیور ان کی ملکیت ہو۔

عورت کی ملکیت میں ہو زیور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیور یا تو اس نے اپنے پیسوں سے خریدا ہو یا کسی نے اس کو ہدیہ میں دیا ہو یا وہ شادی کے موقع پر اپنی ماں کے گھر سے لائی ہو یا شوہر وہ زیور مہر کے طور پر بیوی کی ملکیت میں دیدے، مثلاً مہر پچاس ہزار روپے تھا اور شادی کے موقع پر شوہر کی طرف سے زیور چڑھایا گیا، لیکن چونکہ اس وقت کوئی وضاحت شوہر نے نہیں کی تھی، اس لئے وہ زیور شوہر کی ملکیت میں تھا، اب اگر وہ شوہر یہ کہہ دے کہ میں نے شادی کے موقع پر جو زیور چڑھایا ہے، وہ میں تمہیں مہر کے طور پر دیتا ہوں، یہ تمہارا مہر کا حصہ ہے تو اس صورت میں اس زیور کے ذریعہ مہر ادا ہو جائے گا اور بیوی اس زیور کی مالک بن جائے گی، اب اس زیور کی زکوٰۃ بیوی پر فرض ہوگی،

شوہر پر فرض نہیں ہوگی، اب بیوی کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے، چاہے خود پہنے یا فروخت کر دے یا کسی کو دیدے، شوہر کو اجازت نہیں کہ وہ بیوی کو ان کاموں سے روکے، اس لئے کہ وہ زیور اب اس کی ملکیت میں آچکا ہے۔

بہرحال ہر چیز کا یہی حکم ہے کہ جو شخص جس چیز کا مالک ہے، اس کی زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی، البتہ اگر دوسرا شخص اس کی اجازت سے رضا کارانہ طور پر اس کی طرف سے زکوٰۃ دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، مثلاً بیوی کی طرف سے شوہر دیدے یا اولاد کی طرف سے باپ دیدے بشرطیکہ اجازت ہو، بغیر اجازت کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ اس کا اپنا فریضہ ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں زکوٰۃ کے مسائل سے ناواقفیت بہت پھیلی ہوئی ہے، اس کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے کہ بہت سے لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، لیکن بسا اوقات وہ زکوٰۃ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہوتی اور اس کے نتیجے میں زکوٰۃ ادا نہ ہونے کا وبال سر پر رہتا ہے۔ اس لئے خدا کے لئے زکوٰۃ کے بنیادی مسائل کو سیکھ لیں، یہ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں، کیونکہ انسان کے پاس جتنے اثاثے ہیں، ان میں سے صرف تین چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ایک سونا چاندی پر دوسرے نقد روپے پر اور تیسرے سامانِ تجارت پر یعنی ہر وہ چیز جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدی گئی ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہے، ان کے علاوہ گھر کے اندر جو استعمال کی اشیاء ہیں مثلاً گھر کا فرنیچر، گاڑی، رہائشی مکان، استعمال کے برتن وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں، البتہ گھر میں یا بینک میں جو رقم رکھی ہے یا گھر میں جو زیور اور سونا چاندی ہے یا کوئی مکان یا پلاٹ فروخت

کرنے کی نیت سے خریدا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اگر رہنے کے لئے مکان خریدا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بہر حال زکوٰۃ کی ادائیگی کا معاملہ آسان ہے، زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن ذرا سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے اس ستون کو صحیح سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

عنوان | صفحہ نمبر

جلد اول (۱)

جلد دوم (۲)

جلد سوم (۳)

جلد چہارم (۴)

جلد پنجم (۵)

جلد ششم (۶)

جلد ہفتم (۷)

جلد ہشتم (۸)

جلد نہم (۹)

جلد دہم (۱۰)

جلد گیارہوں (۱۱)

جلد بارہویں (۱۲)

جلد ۱۳